

www.HallaGulla.com

طلوع اشک

محسن نقوی

Virtual Home
for Real People

محسن طلوع اشک دلیل سحر بھی ہے
شب کٹ گئی چراغ بجھا دینا چاہیے

ترتیب

انتساب
بے وارث لمحوں کی مقتل میں محسن نقوی



غزلیں ، نظمیں

- 1- تر ہوئے خُش میں کبھی خاک پہن کر آئے
- 2- اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا چاتا
- 3- اب اے میرے احساسِ جُلوں، کیا مجھے دینا
- 4- خمارِ موسمِ کوشبو حدِ چمن میں کھلا
- 5- رشتہء تشنہ لبی وقت سے جوڑا جائے
- 6- رات ہمارا غم شناس، تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا
- 7- زندگی، لوگ جسے مرہمِ غم جانتے ہیں
- 8- ہم ایسے لوگ بھت ہیں
- 9- مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
- 10- عجیب خوفِ مسلط تھا کل حویلی پر
- 11- طلب کو اجر نہ دوں، فکرِ رہزرنہ کروں
- 12- شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
- 13- سالگرہ
- 14- جگنو، گہر، چراغ، اجالے تو دے گیا
- 15- سانسوں کے اس ہنر کو نہ آساں خیال کر
- 16- کچھ تو عہدِ خوں فشانی اور ہے
- 17- تمہیں کس نے کھا تھا
- 18- ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟
- 19- خوشبو ہے، دھنک ہے چاندنی ہے
- 20- لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
- 21- سخنِ روی کا جو محسن کبھی ارادہ کرو
- 22- جب ہجر کے شہر میں دُھوپ اُتری میں جاگ پڑا تو خواب ہوا

- 23- نظارہ جمال میں شامل ہے آئینہ
24- ہوئے ہجر میں جو کچھ تھا اب کے خاک ہوا
25- آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
26- اے مری بے سھاگ تنھائی
27- ہمارے بعد سفیر صبا ہے آخر کون؟
28- کب سے تم نے اپنا اس طرح کا ہو جانا
29- زندگانی کی رُمق مانتے ہیں
30- رہو جادہ بقا بھی میں
31- اے مرے کم نشان!
32- کبھی یاد آؤ تو اس طرح!.....
33- اور دے گی سفر کو طویل ہوا
34- میں کہاں تیری داستاں سے الگ؟
35- ضدوں سمیت کبھی دل کو چھوڑنا ہوگا
36- بول ہوا اُس پار زمانے کیسے ہیں
37- سو بار اُجڑ کے پھر بسا ہوں
38- قبیلے والو!
39- قدر جو ہر ہے جو پندار سمیت
40- موسم کرب انتظار بھی جھوٹ
41- تن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
42- دیکھ رہیں احتیاط یوں نہ ابھی سنبھل کے چل
43- اِس دُھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر
44- شامِ افسردہ سے کھدو کہ قریب آجائے
45- رات کی زلفیں برہم برہم
46- سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے
47- وہ جھڑ کر جو مل گیا پھر سے
48- یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!
49- فنکار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
50- دل میں اور چشمِ تر میں کیا کچھ تھا
51- میرے کمرے میں اُتر آئی خموشی پھر سے!
52- اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟
53- اس کو بجھنے سے بچالے اے غم یار کی رات
54- کبھی غزل میں در آیا کھی فسانہ ہوا
55- مرا ہونا نہ ہونا!.....

- 56- پاگل لڑکی
- 57- میرے نام سے پھلے
- 58- دُور تک پھیلا ہے صحرائے اجل
- 59- وسعتِ چشم تر بھی دیکھیں گے
- 60- راحتِ دل متاعِ جاں ہے تُو
- 61- اب تو یوں دیدہ تر کھلتا ہے
- 62- منصب بقدرِ رقامتِ کردار چاہیے
- 63- تھک جاؤ گی
- 64- یہ مرا شہرِ صحرا صفت!
- 65- جستجو میں تیری پھرتا ہوں نچانے کب سے
- 66- ہوا چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
- 67- تم نہیں بچپن کی ضد میں تم سی کتنی لڑکیاں
- 68- کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
- 69- ستم کو مصلحتِ حسنِ تغافل کو ادا کہنا
- 70- سُن لیا ہم نے.....!
- 71- اتنا خالی تو گھر نہیں ہم ہیں
- 72- تیرے بعد.....!
- 73- بھولے بسرے ہوئے بام و در کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
- 74- نفس کو درد سے حاصلِ فراغ ہونا تھا
- 75- شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سا منا
- 76- ابھی نہ رُکنا.....!
- 77- حال مت پوچھ عشق کرنے کا!
- 78- رات بھی ہے سفر بھی جگنو بھی
- 79- دل نے تنہا جھیلی رات
- 80- عہد نامہ
- 81- نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
- 82- کبھی جو چھیڑ گئی یادِ رفتگاں حسن
- 83- دل تری رہنڈر میں کھو بیٹھے
- 84- کیسا علم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم
- 85- درد سے بے نیاز ہونے دے
- 86- وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہیلی تھی
- 87- اور کیا ہیں اپنی بزمِ آرائیاں
- 88- کون یاد آتا ہے؟

- 89 ترکِ محبت کر بیٹھے ہم ضبطِ محبت اور بھی ہے
- 90 اب کے سفر میں تشنہ لبی نے کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا؟
- 91 آنکھ بے منظر طلب نے آرزو ایسی نہ تھی
- 92 تو کیا ہوگا.....!
- 93 دل کہاں کربِ دل آزاری کہاں
- 94 خواب آنکھوں میں چھو کر دیکھوں
- 95 میں ترے شہر سے گذرا تو.....!
- 96 بکھرتا جسم میری جاں کتاب کیا ہوگا؟
- 97 ختم ہوئے پیغامِ سلام
- 98 ابھی کیا تھیں.....؟
- 99 چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
- 100 کہہ گئی چشمِ ترکی حیرانی
- 101 روشنی جب مرے مکان میں ہو!
- 102 سناھے زمیں پر.....!
- 103 سورج کا خوف دل سے بھلا دینا چاہیے
- 104 سفر جاری رکھے (خالد شریف کے لئے)

Virtual Home
for Real People

انتساب!

تُو غزل اوڑھ کے نکلے کہ دھنک اوٹ چھپے؟
لوگ جس روپ میں دیکھیں، تجھے پہچانتے ہیں

یار تو یار ہیں، اغیار بھی اب محفل میں
میں ترا ذکر نہ چھیڑوں تو بُرا مانتے ہیں

کتنے لہجوں کے غلافوں میں چھپاؤں تجھ کہ؟
شہر والے مرا ”موضوعِ سخن“ جانتے ہیں

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ میں نے پہلا شعر کب کہا تھا۔ (یہ بہت پہلے کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے پہلا ”سچ“ کب بولا تھا؟ (یہ بھی شاید بہت پرانا قصہ ہے) پہلا شعر۔ اور پہلا سچ۔ کون یاد رکھتا ہے؟۔ اور اتنی دُور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اُدھر کون سی روشنی ہے؟ گھپ اندھیرے کی ریت پر ہانپتے ہوئے چند بے وارث لمحے۔ پچھتاوے کی زد میں جانے کب اور کہاں کھو گئے؟

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ کچھ بھی تو یاد نہیں
”ماضی“ بھی کتنا بخیل ہے۔ کبھی کبھی تو حافظے کی غُر بت کو نچوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر اندھے کنوئیں کی طرح کچھ بھی تو نہیں اُگلتا۔ اپنے اندر جھانکنے والوں سے پوری بینائی وصول کرتا ہے بیتے دنوں کے اُس گھپ اندھیرے میں بھی کیا کچھ تھا؟

میرا کچا مکان (جس کی چھت کی کڑیوں سے میری سانسیں اڑی ہوئی تھیں اُس مکان میں جلتا ہوا مٹی کا ”دیا“۔ جس کی پھیکی روشنی نے مجھے لفظوں کے باطن میں اُترنے کا حوصلہ بخشا۔ گرم صُم گلیوں میں گھیلتی ہوئی آوارہ دُھوپ۔ جس نے مجھے اُداس راتوں کے پُر ہول سنائے سے اُلجھنے کا سلیقہ سکھایا۔ میلی دیواروں پھسلتی ہوئی چاندنی۔ جو رائیگاں ہونے کی بجائے میرے خوابوں کی بے آواز بستی کا اثاثہ بن گئی۔ دُھول میں لپٹی ہوئی بے خوف ہوا جو میرے مسلسل سفر کی اکیلی گواہی بن کر مجھے دلاسا دیتی رہی۔ ناہموار آنگن میں ناچتی لُو سے جھلستے چہروں کی مشقت جس نے مجھے محرومیوں سے سمجھوتے کا انداز مستعار دیا۔ خشک ہونٹوں پر جچی ہوئی مسکراہٹ۔ جس نے مصائب و آلام کی بارش میں مجھے زندہ رہنے کا اعتماد عطا کیا۔ سہمی تجھیں۔ گونگی دوپہریں۔ بہری شامیں اور اندھی راتیں۔ کتنی کہانیوں

کو بُتے بُتے راکھ ہو گئیں۔ اور ان کہانیوں کا کوئی ایک ریزہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ میرا سب کچھ میرے ماضی کے پاس گروی ہے۔

اس ”سب کچھ“ میں میرا ہنستا کھیلتا، پہیلیاں بوجھتا اور شرارتیں سوچتا بچپن بھی شامل ہے جسے اُس کے کھلونوں سمیت میرے ماضی نے میری دسترس سے دُور دفنا کر۔ اُس کے نقوش کھرچ ڈالے ہیں۔

ماضی کو کون سمجھائے کہ بچپن تو ہوتا ہی یاد کرنے کے لیے ہے۔ مگر میرا بچپن؟ کسی دیوار کی اوٹ چلتے دھکتے تندور سے باہر جھانکتے شعلوں سے اُڑتی چنگاریوں کی طرح۔ جیسے فضا میں بکھر کر کہیں بجھ گیا ہے۔ دُور بہت دُور فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے دُھویں کے اُس پار کتنی شفیق آنکھیں کتنے صبیح چہروں سے پھوٹی ہوئی دُعاؤں کی گہر اور کتنی نیک رُوحوں کے قُرب کی پاکیزہ خوشبو آج بھی میرے پتے پتے دل کی لودیتی رگوں میں بر فیلمس کی شبِ نم اندیلیتی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب کیا کیجئے۔ کہ اب تو آتے جاتے موسموں کا سبھا و صرف سوچوں کے بہاؤ پر منحصر ہے معصوم جذموں کا بھولپن اب فقط شکستہ قلم کے شہ رگ سے ٹپکتے ہوئے لہو کے بے ترتیب قطروں میں بھی کبھی اپنا دُھندلا سا عکس دیکھ لیتا ہے۔ اور رائیگاں جاگتی آنکھیں صرف تنہائی کی لوریوں سے بہل کر سو جاتی ہیں یا کہیں کھو جاتی ہیں۔

گہرا مچپائی سانسوں کے اس جاں گداز اور آبلہ نواز سفر میں کیا کیا لوگ اپنا اپنا روگ دل میں لیے دُھول اُڑاتے سنائے کا رِزق ہوئے۔ کیسی کیسی رنگ رچاتی محفلیں اپنے توانا ہنگاموں سمیت پلک جھپکتے آنکھ سے اوجھل ہو گئیں۔ کیا کیا گندن چہرے اب اپنی پہچان کا حوالہ مجھ سے طلب کرتے ہیں۔

جیسے میں ان دنوں بے وارث لمحوں کے مقتل سے گذر رہا ہوں۔ لمحوں کا مقتل جس میں شامِ غریباں آہستہ آہستہ اُتر رہی ہے۔

لمحوں کے اس مقتل میں میری مسافت ختم ہوتی ہے نہ شامِ غریباں کا دُھواں سرد پڑتا ہے۔ میرے پاؤں میں آبلے بندھے ہوئے ہیں۔ جسم بارشِ سنگِ ملامت سے داغ داغ اور ہونٹ مسلسل مصروفِ گفتگو۔ مگر کس سے؟ شاید رفتگاں کا راستہ بتاتی ہوئی دُھول سے یا اپنے تعاقب میں آنے والے اُن رہروؤں کی آہٹوں سے؟ جو سفر کے اگلے موڑ پر مسلط سنائے سے بے خبر ہیں۔ سناٹا۔ جو کبھی کبھی دل والوں کی بستی پر شجوں کی بستی پر شجوں مار کر ساری سوچیں تمام جذبے اور کچے خواب تک نگل لیتا ہے۔

میرا قبیلہ میرے گرب سے نا آشنا ہے۔ میرے ساتھ جن ہجر والوں نے سفر آغاز کیا تھا وہ یا تو راستے کی گرد اوڑھ کر سو چکے ہیں یا مجھ سے اوجھل اپنی اپنی خندقیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ اور میں کل کی طرح آج بھی ”اکیلا“ ہوں۔

میرے ارد گرد خراشوں سے اُٹے ہوئے کچھ اجنبی چہروں کے کٹے پھٹے خدو خال ہیں۔ بھوک سے نڈھال بے نطق و لب اُدھوری سوچوں کے بنجر۔ ریزہ ریزہ خوابوں کی چھتی ہوئی کرچیاں۔ محرومیوں کے بوجھ تلے ریختی خواہشوں کی ٹیڑھی میڑھی قطاریں۔ دم توڑتی محبتوں کی بے ترتیب ہچکیاں۔ پابریدہ حسرتیں۔ سربِ زانو واپس۔ اور بدنِ دریدہ اندیشے۔ ایسے اُجاڑ سفر میں کون میرے دُکھ بانٹے کو میرے

ساتھ چلے۔؟ یہاں تو ہوا کے سہمے ہوئے جھونکے بھی دبے پاؤں اترتے اور چُپ چاپ گذرتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجروح جذبوں پر دلاسوں کے ”پھاسے“ رکھے؟ کس میں اتنا حوصلہ کہ میری روداد سُنے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان تنہائی کے۔ جو میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیر کی طرح ثبت ہے۔ میرے رتجگوں کی غمگسار اور میری تھکن سے چور آنکھوں میں نیند کی طرح بھر گئی ہے۔

سنگلاخ تنہائی کے اس بنجر بن میں دھکتے مہکتے جذبوں کے گلاب اُگنا اور اُنہیں بے ربط آنسوؤں سے شاداب رکھنا میرا منصب بھی ہے اور میرا فن بھی۔ بس اسی دُھن میں سُکوت کے ہولناک صحرا میں لمحہ لمحہ سوچوں کی بستیاں بسا کر اُن میں لفظوں کے رنگ رنگ چراغ روشن کرتا ہوں جانے کب سے جانے کب تک؟

ہوا مجھ سے برہم سناٹا میرے تعاقب میں حوادث مجھ سے دست و گریباں، صُبحیں مجھ سے گریزاں اور شامیں، میری آنکھوں پر اندھیرا ”باندھنے“ کے لیے مضطرب۔ مگر میں (مسافت نصیب، سفر مزاج)۔ ”گزشتہ“ کی راکھ پر ”آئینہ“ کی دیوار اُٹھا کر اُس کی منڈیر پر اپنی آنکھیں جلا رہا ہوں تاکہ میرے بعد آنے والوں کی تھکن لمحہ بھر کو سستا سکے۔ میں۔ تلخیاں بانٹتی اور تنہائیاں چھڑکتی ہوئی زندگی سے قطرہ قطرہ ”سچ“ کشید کرتا اور پھر اس روشن ”سچ“ کی دکتی ہوئی پیشانی سے پھوٹی شعاعوں کے ریشم سے بٹے ہوئے خیالوں کی ردِ اپر ”شاعری“ کاڑھتا ہوں۔

شعر کہنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغلہ ہے اور نہ ہی ”خودنمائی“ کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار کے لیے مجھے ”شاعری“ سے بہتر اور موثر پیرایہ ملتا ہی نہیں۔ میرے لاشعور کی تہ میں بکھرے ہوئے تجربے اور مشاہدے حرف حرف اور نقطہ نقطہ شعور کی پلکوں سے حواس کے آئینہ خانہ میں اترتے اور ”شعر“ کی صورت میں بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی میرا قلم اور کبھی موجِ صدا کا ”زیر و بم“ انہیں امانت کے طور پر بصارتوں، بصیرتوں اور سماعتوں تک پہنچاتا ہے کیا جانے کب سے میری فگار اُنکلیاں کائنات کے خدو خال کو ذات کے شیشے میں سمیٹنے کا فرض ادا کر رہی ہیں۔ اور میرا ”خونچکاں خامہ“ اپنے عہد کے انسان کا کرب کرید کر اُس میں پوشیدہ خواہشوں اور حسرتوں کو کاغذی بیرہن پر سجانے میں مصروف ہے؟ مجھے نہیں معلوم کفن کے صحرا میں اب تک میں نے کتنا سفر طے کیا ہے؟ میں پیچھے مڑ کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ (جیسے پلٹ کر دیکھنے سے میں ”پتھر“ ہو جاؤں گا)۔

میں قدم قدم نئی جہت کی تلاش میں سرگرداں ہوں (ورنہ کی بجائے) کہ ایک ہی سمت میں ایک ہی انداز سے چلتے رہنے کی یکسانیت اور ایک جیسی رفتار نہ صرف سفر کی کشش کو چاٹ لیتی ہے بلکہ حصولِ منزل کا اعتماد بھی چکنا چور ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرے سفر کی ڈور کا دوسرا سر امیری سانس سے بندھا ہوا ہے میں لمحہ بھر کو رُک گیا تو یہ ڈور ٹوٹ جائے گی۔

کسی بھی حساس اور سنجیدہ فنکار کے لیے مشکل ترین مرحلہ اُس کے اپنے عہد کے تقاضوں کا ادراک اور ان تقاضوں کے مطابق موضوع کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ جو فنکار اپنے عہد سے بے خبر رہ کر تخلیق کی مشقت کرتا ہے وہ خود کلامی کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر یا

تو رجعت پسندی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے یا تشکیک کی زد میں ابہام کا شکار ہو کر فکری انتشار کے برزخ کی ”بے سمتی“ میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ باتیں کرنا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ

عصری جبر، سماجی گھٹن، سیاسی جس اور طبقاتی تضاد کی دلدل میں دھنسے ہوئے جس معاشرے میں مجھے جذبوں کے اظہار کا اذن ملا ہے وہ بذاتِ خود تشکیک و ابہام اور سکوت و تحیر کی سیاہ چادر اوڑھ کر سانس روکے ہوئے زندگی کی ساعتیں گن رہا ہے۔ عدل و انصاف کے مقابلے میں ظلم اپنے پر پھیلائے دم توڑتے انسان کی ہچکیاں نگل رہا ہے۔ رستے مقتل بن گئے ہیں چوراہوں سے بازو داگ رہا ہے، بازاروں میں درندگی برہنہ رقص رچا رہی ہے، ”سچ“ سرعام مصلوب اور جھوٹ بر ملا مسند آراء ہے جرمِ رواج بن گیا ہے۔ غارتگری روایت میں شامل ہو رہی ہے، دہشت گردی سے شہر سہمے ہوئے، وحشت صحراؤں پر مسلط، لہو کے رشتے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ رہے ہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے ظلم و ستم کی سیاہ رات نے سورج کو چبا ڈالا ہے۔ دُکھ درد اور کرب کی اس مسلسل رات، بے یقینی اور مایوسی کی دُھول سے آلی ہوئی رات میں میری شاعری ”طلوع اشک“ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

”طلوع اشک“ کی شاعری اپنے عہد میں بڑھتی ہوئی نفرتوں کے خلاف انسانی سانسوں کے ریشم سے بُنے ہوئے اُن نازک جذبوں اور دائمی رشتوں کا ایک دھیمسا احتجاج ہے جن کی پہچان کا واحد حوالہ محبت ہے۔

”محبت“ جو کدورتوں کی آگ میں جلتے جھلستے جنگلوں کے اُس پار زیون کی وہ شاخ ہے جس کی خوشبو کا دوسرا نام ”امن“ ہے۔

”طلوع اشک“ میں نہ تو آپ کو عملی جدوجہد سے محروم کوئی ”دعویٰ“ نظر آئے گا۔ اور نہ ہی بے مقصد ”ہنگامہ آرائی“۔

کیونکہ اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے ظلم، پھیلی ہوئی نفرت اور افراتفری کے باوجود میں ابھی تک انسانی رشتوں کی اہمیت، رُوح کی گہرائیوں میں پھلتے پھولنے جذبوں کی توانائی، دائمی امن کی عالمگیر کشش، ”سچ“ کی خمندی اور ادراک و آگہی پر ”محبت“ کے تسلط سے نہ تو مایوس ہوا ہوں اور نہ ہی منحرف۔

مجھے یقین ہے کہ جب تک کائنات میں انسان کا وجود باقی ہے۔ محبت اپنے توانا جذبوں کی صداقت سمیت باقی رہے گی۔ میں نے محبت کو اپنے احساس، ادراک اور آگہی کی اساس بنایا ہے۔ اسے دُھوپ دُھوپ سمیٹا ہے اور پھر اپنے ”اشعار“ میں رنگ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سب کچھ میرا فن بھی ہے اور متاعِ فن بھی۔

جہاں تک اپنے فن کے قد و قامت کی ”بے محل“ نمود و نمائش کا تعلق ہے میں ہمیشہ اس سے اجتناب کرتا ہوں، نہ ہی ”خود ستائی“ کی بوسیدہ قبا اوڑھ کر ”دوسروں“ کو اپنی طرف متوجہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

آخر ”سستی شہرت“ کے لیے اپنی قیمتی ”آنا“ کو چھلنی کرنے کی ضرورت کیا اور شوق کیوں؟ کہ دُنیا میں جو ہے اُسے اپنے ”اثبات“ کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو

نہیں“ ہے اُس کے ”ہونے“ پر اصرار بے معنی۔ خیر یہ الگ بحث ہے۔
مجھے اپنے تخلیقی سفر کے آغاز سے اب تک کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گزرنا
پڑا؟ کس جان لیوا کرب کی شدت میں سانس لینا پڑا؟ کیسی کیسی چوٹ کھا کر مُسکرا کر انا پڑا؟ یہ
کہانی دُہرانے کا وقت ہے نہ فرصت۔ (پھر سہی)

ابھی آپ جلدی میں ہیں۔ اور مجھے بھی اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ میری
آنکھیں اندھیروں کا تسلط قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ میں اندھی رات کے جبر کے خلاف
کسی ایک کرن کسی ایک چنگاری کسی ایک آنسو کی طلب میں لمحوں کا مقتل جھیل رہا ہوں۔ اور
اپنے گرد بکھری ہوئی دست و پاؤں پر دیدہ خواہشوں کی پُرسش میں مصروف بھی۔ اندھی رات کے
مستسل جبر کے خلاف کوئی جگنو، کرن، چنگاری یا کوئی ایک آنسو مجھے کچھ دیر اور جینے کا حوصلہ
دے سکتا ہے۔ میں کچھ اور جاگ سکتا ہوں کہ مسلسل جاگتے رہنے کا اعزاز یہ کسی زندہ،
روشن اور دھکتے ہوئے سورج کی صورت میں نہ سہی ہلکی روشنی کی علامت کے طور پر ہی میری
آنکھوں کو صدیوں تک کے لیے اُجلے خوابوں کی دھنک میں مست اور مگن رکھ سکتا ہے۔ اگر
آپ اندھی رات کے جبر کے خلاف میرے ساتھ محبت اور امن کی روشنی بن سکتے ہیں تو اپنی
آنکھیں میرے لفظوں میں اُنڈیل دیں کہ یہی میرے لیے روشنی کا استعارہ بن جائیں۔ ورنہ
میری تنہائی میرے بغیر اُداس ہوگی۔

محسن نقوی

جمعرات ۲۸ مئی ۱۹۹۲ء لاہور

Virtual Home
for Real People



تر ہوئے خوں میں کبھی خاک پہن کر آئے
ہم ہمیشہ نئی پوشاک پہن کر آئے

اک عجب رنگ سے نکلا وہ سرِ راہ کہ لوگ
جسم پر دیدہ بے باک پہن کر آئے

ہم نے صدیوں کی ہتھیلی پر رکھی ہیں آنکھیں!
کوئی لمحہ ترا ادراک پہن کر آئے!!

سانحہ کون سا گزرا ہے صبا سے پوچھو
چند جھونکے خس و خاشاک پہن کر آئے

اشکِ شہرِ شبِ غم اپنی دُعا ہے کہ کبھی
مثلِ خورشید تو افلاک پہن کر آئے

زخم کو ضد تھی مسیحائی سے اب کے ورنہ
حرفِ مرہم کئی چالاک پہن کر آئے

آج ملنا تھا اُسے زخم چھپا کر محسن
ہم مگر جامہ صد چاک پہن کر آئے

Virtual Home
for Real People



اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا جاتا
ابر کی زد میں ستارا نہیں دیکھا جاتا

اپنی شہ رگ کا لہو تن میں رواں ہے جب تک
زیرِ خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا

موج در موج اُلجھنے کی ہوس بے معنی!
ڈوبنا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جاتا

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا

آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتی ہے
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے
اب تو ابرو کا اشارہ نہیں دیکھا جاتا

کیا قیامت ہے کہ دل جس کا نگر ہے محسن
دل پہ اُس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا



اب اے مرے احساسِ جُوں کیا مجھے دینا؟
دریا اُسے بخشا ہے تو صحرا مجھے دینا

تم اپنا مکاں جب کرو تقسیم تو یارو۔!
گرتی ہوئی دیوار کا سایا مجھے دینا!

جب وقت کی مَر جھائی ہوئی شاخ سنبھالو
اس شاخ سے ٹوٹا ہوا لمحہ مجھے دینا

تم میرا بدن اوڑھ کے پھرتے رہو۔ لیکن
ممکن ہو تو اک دن مرا چہرہ مجھے دینا

چھو جائے ہوا جس سے تو خوشبو تری آئے
جاتے ہوئے اک زخم تو ایسا مجھے دینا

شب بھر کی مسافت ہے گواہی کی طلبگار
اے صبح سفر اپنا ستارہ مجھے دینا

اک درد کا میلہ کہ لگا ہے دل و جاں میں
اک رُوح کی آواز کہ ”رستہ مجھے دینا“

اک تازہ غزل اذنِ سخن مانگ رہی ہے
تم اپنا مہکتا ہوا لہجہ مجھے دینا!

وہ مجھ سے کہیں بڑھ کے مصیبت میں تھا محسن
رہ رہ کے مگر اُس کا دلاسا مجھے دینا



خمارِ موسمِ خوشبو حدِ چمن میں کھلا
مری غزل کا خزانہ ترے بدن میں کھلا

تم اُس کا حُسن کبھی اُس کی بزم میں دیکھو
کہ ماہتابِ سدا شب کے پیرہن میں کھلا

عجب نشہ تھا مگر اُس کی بخشش لب میں
کہ یوں تو ہم سے بھی کیا کیا نہ وہ سخن میں کھلا

نہ پوچھ پہلی ملاقات میں مزاج اُس کا
وہ رنگ رنگ میں سمٹا، کرن کرن میں کھلا

بدن کی چاپِ نگہ کی زباں بھی ہوتی ہے
یہ بھید ہم پہ مگر اُس کی انجمن میں کھلا

کہ جیسے ابر ہوا کی گرہ سے کھل جائے
سفر کی شام مرا مہرباں تھکن میں کھلا

کہوں میں کس سے نشانی تھی کس مسیحا کی؟

وہ ایک زخم کہ محسن¹⁴ مرے کفن میں کھلا



رشتہ تشنہ لہی وقت سے جوڑا جائے
لمحے لمحے کی رگ جاں کو نچوڑا جائے

لطف تو جب ہے سفر کا کہ مرے ہمسفر!
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے

دل تجھے بھولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے؟

شہر یاراں نہ سہی دشت و بیاباں ہی سہی
سیل وحشت کو کسی سمت تو موڑا جائے

منصب شوق سے اُبھی ہے سناں کی خواہش
سر کو سنگ درِ جاناں پہ نہ پھوڑا جائے

وہ کچھلتا ہے کہاں ایک غزل محسن
ایک تیشے سے تو گھسار نہ توڑا جائے

Virtual Home
for Real People

☆

رات ہمارا غم شناس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا
دل زدگاں کے آس پاس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

سنگدل و برہنہ تن بانجھ رُتوں کی بھیڑ میں
ایک خیال خوش لباس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

صاحبِ حرفِ التماس تھے وہ؛ مگر وہ ہم نہ تھے
واقفِ کربِ التماس تھا وہ؛ مگر وہ تو نہ تھا

شہر کی ساری تہمتیں جس کو نہ رام کر سکیں
خوف کی رُت میں بے ہراس تھا وہ؛ مگر وہ تو نہ تھا

شوق کی رہ گزار میں حاصلِ شام جستجو!
ایک یقیں تما قیاس تھا وہ؛ مگر وہ تو نہ تھا

محفلِ دوستاں میں بھی روشنیوں کے درمیاں!
صرف مرے لیے اُداس تھا وہ؛ مگر وہ تو نہ تھا

محسن بے نوا کے بعد ماتمیانِ شہر میں!
بے سرو برگ و بے حواس تھا وہ؛ مگر وہ تو نہ تھا



زندگی، لوگ جسے مرہمِ غم جانتے ہیں
جس طرح ہم نے گزاری ہے وہ ہم جانتے ہیں

درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں

سُرِ برہنہ چلے آئے ہیں کہ پتھر برسیں
ہم ترے شہر کا آئینِ کرم جانتے ہیں!!

شدتِ غم کا یہ عالم ہے شبِ ہجر کہ ہم
ہر ستارے کو ترا دیدہٴ غم جانتے ہیں!

ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبطِ جنوں کی رُت میں
حرفِ شیریں کو بھی اب قطرہٴ سم جانتے ہیں

ہم ایسے لوگ بہت ہیں۔۔۔

یہ راہ راہ رُتیں اپنی رات کی قسمت
تم اپنی نیند بچاؤ تم اپنے خواب چُلو
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پہ دھیان کیا دینا
تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حُرُوف سنو

تمہارے شہر کی گلیوں میں سیلِ رنگ بنجر
تمہارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ رہگزر جہاں تم لمحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہاں پہ ابر جھکیں آسمان ملتے رہیں

نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سُنو!
ہر اک صدا پہ دھڑکنا بھی دل کا فرض نہیں
سُکوتِ حلقہ زنجیرِ در بھی کیوں ٹوٹے؟
صبا کا ساتھ نبھانا جنوں پہ قرض نہیں!

ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کیسے کٹی کس کیساتھ بیت گئی؟
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے؟
کہ فصلِ بخششِ موجِ فرات بیت گئی!
یہ ایک پل تھا جسے تم نے نونچ ڈالا ہے
وہ اک صدی تھی جو بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے تمہیں خبر ہوگی
چراغِ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی؟



مغرور ہی سہی مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا

رُوٹھا ہوا تھا، ہنس تو پڑا مجھ کو دیکھ کر
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

لپٹا ہوا ہو گھر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

ریشم پہن کے بھی میری قیمت نہ بڑھ سکی
کھدر بھی اُس کے جسم پہ مہنگا بہت لگا

محسن جب آئینے پہ مری سانس جم گئی
مجھ کو خود اپنا عکس بھی دھندلا بہت لگا

Virtual Home
for Real People



عجیب خوف مسلط تھا کل حویلی پر
ہوا چراغ جلاتی رہی ہتھیلی پر

سُنے گا کون مگر احتجاج خوشبو کا؟
کہ سانپ رہر چھڑتا رہا جنہیلی پر

شب فراق میری آنکھ کو تھکن سے بچا
کہ نیند وار نہ کر دے تیری سہیلی پر

وہ بے وفا تھا تو پھر اتنا مہرباں کیوں تھا؟
بچھڑ کے اُس سے میں سوچوں اسی سہیلی پر

جلا نہ گھر کا اندھیرا چراغ سے محسن
ستم نہ کر مری جاں اپنے یار بلی پر



طلب کو اجر نہ دوں فکر رہگذر نہ کروں!
سفر میں اب کے ہوا کو بھی ہمسفر نہ کروں

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں

اب اس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو احتیاط وفا
میں تیرے شہر سے گذروں تجھے خبر نہ کروں!

یہ میرے درد کی دولت مری متاع فراق
ان آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں!

اُجاڑ شب کی خلش بن کے ”بن“ میں کھو جاؤں
میں چاندنی کی طرح خود کو در بدر نہ کروں!

وہ ایک پل کو دکھائی تو دے کہیں محسن
میں جاں گنوا کے بھی اُس پل کو مختصر نہ کروں!



شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
خو تھی لیکن ستمگروں جیسی

اُس کے لب تھے سکوت کے دریا
اُس کی آنکھیں سنخوروں جیسی

میری پروازِ جاں میں حائل ہے
سائس ٹوٹے ہوئے پروں جیسی

دل کی بستی میں رونقیں ہیں مگر
چند اُجڑے ہوئے گھروں جیسی

کون دیکھے گا اب صلیبوں پر
صورتیں وہ پیمبروں جیس!

میری دنیا کے بادشاہوں کی
عادتیں ہیں گداگروں جیسی

رُخ پہ صحرا ہیں پیاس کے محسن
دل میں لہریں سمندروں جیسی

Virtual Home
for Real People

سالگرہ

زندگی -- تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا
جاتی بجھتی ہوئی شمعیں میں مہ و سال مرے
ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگ صحرا کی لکیریں ہیں خد و خال مرے

چاند میرے تن مجروح پہ سنگِ اعزاز
دھوپ چھاؤں مرے صد چاک لبادے کا خراج
سب ستارے مری پوشاک کے پیوندِ نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ مری آنکھوں کا مزاج

میرا چہرہ مرے مقتول ہُنر کی تاریخ
میری آنکھیں مری دُکھتی ہوئی راتوں کے چراغ
میرے ہونٹوں پہ مری پیاس کے نوحوں کا ہجوم
میرے سینے پہ درخشاں مری توہین کے داغ

آج کی شام کہ ہر سال اسی شام کے ساتھ
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسمان وقت کے آنچل کی دھنک بُٹتا ہے
ساری دھرتی تِن عُریاں کی زرہ لگتی ہے

آج کی شام کہ ہر سال مرے زخم نواز
مسکراے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا مری خاطر مرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دُعا بھیج دیا کرتے ہیں

سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دل زدگان
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور ہیں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلہ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے اُدھورے پن کی
آج کی شام سے تکمیل نہ ہو جائے کہیں!

آؤ کچھ دیر کو ہم زخمِ شکاری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پگھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں کہیں سو جائیں
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی

جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسا کیا ہے؟
زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا



جگنو گھر چراغ اُجالے تو دے گیا
وہ خود کو ڈھونڈنے کے حوالے تو دے گیا

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو وراثت فقیر کی
بچوں کی اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

اب میری سوچ سائے کی صورت ہے اُس کے گرد
میں بچھ کے اپنے چاند کو ہالے تو دے گیا

شاید کہ فصلِ سنگ زنی کچھ قریب ہے
وہ کھیلنے کو برف کے گالے تو دے گیا

اہلِ طلب پہ اُس کے لیے فرض ہے دُعا
خیرات میں وہ چند نوالے تو دے گیا

محسن اُسے قبا کی ضرورت نہ تھی مگر
دُنیا کو روز و شب کے دوشالے تو دے گیا



سانسوں کے اس ہُنر کو نہ آسان خیال کر
زندہ ہوں ساعتوں کو میں صدیوں میں ڈھال کر

مالی نے آج کتنی دعائیں وصول کیں
کچھ پھول اک فقیر کی جھولی میں ڈال کر

کل یوم ہجر زرد زمانوں کا یوم ہے
شب بھر نہ جاگ مفت میں آنکھیں نہ لال کر

اے گردِ بادِ لَوٹ کے آنا ہے پھر مجھے
رکھنا مرے سفر کی اذیت سنبھال کر

محراب میں دیے کی طرح زندگی گزار
مُنہ زور آندھیوں میں نہ خود کو ٹڈھال کر

شاید کسی نے بُخلِ زمیں پر کیا ہے طنز
گہرے سمندروں سے جزیرے نکال کر

یہ تقدِ جاں کہ اس کا لٹانا تو سہل ہے
گر بن پڑے تو اس سے بھی مشکل سوال کر

محسن برہنہ سر چلی آئی ہے شامِ غم!
غرِبت نہ دیکھ اس پہ ستاروں کی شال کر



کچھ تو عہدِ خوں فشانے اور ہے!
کچھ مری آنکھوں نے ٹھانی اور ہے!

وسعتِ صحرائے عالم سے ادھر
دشتِ غم کی بیکرانی اور ہے

یا ادھوری ہے گواہی عشق کی
یا پھر اُس کی بدگمانی اور ہے

یوں بضد ہے آنکھ رونے پر ابھی
جیسے اس دریا میں پانی اور ہے
شعلہ خورشید محشر کی قسم
اُس کا معیار جوانی - اور ہے!

اک وہ خود ہے جھٹپٹے کی چاندنی!
اک دوپٹہ اُس پہ دھانی اور ہے!!

سب رتیں دیکھی ہیں اس دل نے مگر
اب کے موسم میں گرانی اور ہے

ڈوب جانے دو ستارا صبح کا
اُس کے آنے کی نشانی اور ہے

داستاں ہے اور آنکھوں میں مگر
دل میں پوشیدہ کہانی اور ہے!!

عشق میں محسن کہاں کا جیتنا؟
ہارنے میں کامرانی اور ہے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟

تمہیں کس نے کہا تھا؟
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر تک دیکھو!
کہ بینائی پکھل جائے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟
آسمان سے ٹوٹی اندھی الجھتی بجلیوں سے
دوستی کرلو

اور اتنی دوستی کرلو
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟
ایک انجانے سفر میں
اجنبی رہرو کے ہمراہ دور تک جاؤ
اور اتنی دور تک جاؤ!
کہ وہ رستہ بدل جائے!

ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟

ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ ہم دریدہ بدن
سیہ لباس کے پرزے
سپرِ خاک کریں
جگر کے داغ اُجالیں لہو کے چھینٹوں سے
قبائے ضبطِ جدائی کو
خود سے چاک کریں
ابھی کہاں ہے وہ لمحہ
کہ جس کو اہل نظر
طلوعِ موسمِ گلرنگ کی نوید کہیں!
ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ جس کو ”عید“ کہیں!!



خوشبو ہے دھنک ہے چاندنی ہے
وہ اچھے دنوں کی شاعری ہے

بھگے ہوئے پھول حرف اُس کے
مِ جھم کی زباں میں بولتی ہے

ہاتوں میں تھکن ہے شام جیسی
لہجے میں سحر کی تازگی ہے

یہ اُس کی صدا پگھل رہی ہے!
یا شمعِ سخن کی بھولپن ہے؟

چہرے میں یہ شفق حیا کا گھل رہی ہے
دریا میں یہ شفق حیا کا گھل رہی ہے

آنکھوں میں گلاب کھل رہے ہیں
کیا جانے وہ کب سے جاگتی ہے؟

برسا ہے خمار چاندنی کا!
یا اُس کی جبین دَمک اُٹھی ہے؟

کیا جانے وہ کیسے مُسکرائی؟
ہیرے سے کرن سی چھن پڑی ہے!

چہرے پہ بکھر کے زُلف اُس کی
سُورج سے خراج مانگتی ہے

وہ محوِ خرام یوں ہے -- جیسے

اک شاخ ہوا سے کھیلتی ہے

پل بھر کو سرک گیا جو آنچل
کلیوں کی طرح سمٹ گئی ہے

پروا ہی نہیں اُسے کسی کی
اپنے سے وہ کتنی اجنبی ہے!

آئینہ ہی دیکھتا ہے اُس کو
آئینہ کہاں وہ دیکھتی ہے؟

وہ غنچہ دہن ”سکوت زادی“
کھلنے پہ بھی کم ہی بولتی ہے

میں اُس کے بغیر کچھ نہ سوچوں
شاید وہ یہ بات سوچتی ہے

میں اُس کی انا کا بانگین ہوں
وہ میری غزل کی دلکشی ہے

میں گرم دنوں کی لؤ کا موسم
وہ سرد رُتوں کی سادگی ہے

اے خلوتیانِ مہمہ آگہی ہے!
وہ آپ ہی اپنی آگہی ہے!

اے مُشتریانِ حُسنِ قیتی عالم
وہ دونوں جہاں سے قیتی ہے

میں اُس کی رفاقتوں پہ نازاں
محسن وہ غرورِ دوستی ہے

سو بار میں اُس سے کھو گیا ہوں
ہنستی ہوئی پھر سے مل گئی ہے

27
محسن یہ نہ کھل سکے گا مجھ پہ
وہ فن ہے کہ فن کی زندگی ہے!



لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
مری مسافت کا استعارہ، کبھی سمندر کبھی ستارہ
تری مری قربتوں کا موسم بکھر کے سمٹے، سمٹ کے بکھرے
اسی لیے آنکھ میں اُتارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ
نیا نیا عشق کرنے والو! ہمیں سے اس کا زیاں بھی پوچھو
بساطِ ہستی پہ ہم نے ہارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
ترے لیے جاگنے کو مہکیں کبھی (گلستاں) کبھی چراغاں
مرے لیے خواب کا اشارہ -- کبھی سمندر کبھی ستارہ
وہ کہکشاں زاد و سیلِ نکبت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا!
کہاں تھا ورنہ ہمیں گوارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ؟
مرے بھٹکنے پہ جانِ محسن یہ طنز کیسا کہ اس جہاں میں
ہوئے ہیں بے سمت و بے کنارہ -- کبھی سمندر کبھی ستارہ



سخنوری کی بخشش جو محسن کبھی ارادہ کرو
کسی کی بخشش لب سے بھی استفادہ کرو

اب اپنی تشنہ لہی سے کرو کشید لہو
غروِ ابر کرم اور بے لبادہ کرو

عدو کی تنگ دلی کو جو مات دینا ہے
بدن کے زخم نہ دیکھو جبیں کشادہ کرو

جو دیکھنا ہو تمہیں اپنے خال و خد کی کشش
تو زیب تن کسی رت میں قبائے سادہ کرو

لکھا ہے کس نے لہو سے یہ ریت پر محسن
ستم کرو تو مرے صبر سے زیادہ کرو



ہجر کے شہر میں دھوپ اُتری، میں جاگ پڑا تو خواب ہوا
مری سوچ خزاں کی شاخ بنی، ترا چہرہ اور گلاب ہوا

برفیلی رت کی تیز ہوا کیوں جھیل میں کنکر پھینک گئی؟
اک آنکھ کی نیند حرام ہوئی، اک چاند کا عکس خراب ہوا

ترے ہجر میں ذہن پکھلتا تھا، ترے قرب میں آنکھیں جلتی ہیں
تجھے کھونا ایک قیامت تھا۔۔ ترا ملنا اور عذاب ہوا۔۔!

بھرے شہر میں ایک ہی چہرہ تھا، جسے آج بھی گلیاں ڈھونڈتی ہیں
کسی صبح اُسی کی دھوپ کھلی، کسی رات وہی مہتاب ہوا

بڑی عمر کے بعد ان آنکھوں میں کوئی ابر اُترا تری یادوں کا
مرے دل کی زمیں آباد ہوئی مرے غم کا نگر شاداب ہوا

کبھی وصل میں محسن دل ٹوٹا کبھی ہجر کی رت نے لاج رکھی
کسی جسم میں آنکھیں کھو بیٹھے کوئی چہرہ کھلی کتاب ہوا



نظارۂ جمال میں شامل ہے آئینہ
دیکھے نہ کیوں کہ دید کے قابل ہے آئینہ

اے شامِ قرب اُس کو نظر چھو تو لے مگر
مشکل یہ ہے کہ راہ میں حائل ہے آئینہ

پھر اہل دل کو ہے تری بخشش کا انتظار
پھر تیرے خد و خال کا سائل ہے آئینہ

اک دن تو بن سنور کے مری سانس میں اُتر
اس ریت ریت سانس کا حاصل ہے آئینہ

اک میں کہ تجھ کو دیکھنا چاہوں فلک تلک
اک تو کہ تیری دید کی منزل ہے آئینہ

پلکوں سے کر کشید شعاعوں کے ذائقے
دریائے رنگ و نور کا ساحل ہے آئینہ

محسن میں کچھ تو آپ ہی ٹکڑے ہوا مگر
کچھ میری خواہشات کا قاتل ہے آئینہ



ہوائے ہجر میں جو کچھ تھا اب کے خاک ہوا
کہ پیرہن تو گیا تھا بدن بھی چاک ہوا

اب اُس سے ترک تعلق کروں تو مر جاؤں

بدن سے رُوح کا اِس درجہ اشتراک ہوا

یہی کہ سب کی کمائیں ہمیں پہ ٹوٹی ہیں!
چلو حسابِ صفِ دوستاں تو پاک ہوا

پوچھ اپنی ظُرف پھر سے لوٹنے کا عمل!
کہ میں پہاڑ تھا، سمٹا تو مُشتِ خاک ہوا

وہ بے سبب یُونہی رُوٹھا ہے لمحہ بھر کے لیے
یہ سانحہ نہ سہی پھر کبھی کرناک ہوا

اُسی کے قُرب نے تقسیم کر دیا آخر!
وہ جس کا ہجر مجھے وجہِ انہماک ہوا

شدید وار نہ دشمن دلیر تھا محسن
میں اپنی بے خبری سے مگر ہلاک ہوا



آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
دیکھنا، عشق کے زوال کی شام

میری قسمت ہے تیرے ہجر کا دن
میری حسرت ترے وصال کی شام

دہکی دہکی ترے جمال کی صُبح
مہکی مہکی مرے خیال کی شام

روپ صدیوں کی دوپہر کی
”اوڑھنی“ ہے کہ ماہِ وسال تکی شام

پھر وہی در وہی صدا محسن!

پھر وہی میں وہی سوال کی شام

اے مری بے سہاگ تنہائی

اس سے پہلے کہ سوچ کا گُندن
شامِ غم کے اجاڑ صحرا میں!
جل بجھے بجھے کے راگ ہو جائے
اس سے پہلے کہ چاہتوں کی یقیں
واہموں کے بھنور میں کھو جائے

اس سے پہلے کہ چاند کا جھومر!
درد کی جھیل میں اُتر جائے!
اور خواہش کی چاندنی کا غبار
وقت کی آنکھ میں بکھر جائے

اس سے پہلے کہ اپنے دل کی رگیں
ایک اک کر کے ٹوٹی جائیں
اور طنائیں گلاب خوابوں کی
اپنے ہاتھوں سے چھوٹی جائیں

اس سے پہلے کہ گھیر لے مجھ کو
ہر طرف سے جلوِ رُسوائی
قربتوں کے نشانِ مٹا ڈالے
ہجر کے زلزلوں کی انگڑائی

اے مری بے سہاگ تنہائی!
مجھ سے پُرسہ لے اپنے پیاروں کا
بجھتے اشکوں کے اُن ستاروں کا
جو ہر اک اجنبی کے رستے میں!

نور کی چادریں بچھاتے تھے
جو کسی صبح زاد کی دُھن میں
رات بھر روشنی لٹاتے تھے!

اے مری بے سہاگ تنہائی!
آمرے پاس مجھ سے پُرسہ لے
اُن گلابوں کا اُن سحابوں کا
جس کی رُت میں جو برستے تھے
جن کے پل بھر کے لمس کی خاطر
موسموں کے بدن ترستے تھے

اے مری بے سہاگ تنہائی!
اس سے پہلے کہ سانس تھک جائے
شوق ڈھونڈے نئی گزر گاہیں
اس سے پہلے کہ بے نشان ٹھہریں
حسرتِ قرب کی سبھی راہیں
میری گردن میں ڈال دے باہیں!

جُو مرے کون تجھ کو چاہے گا؟
میں بھی تیری طرح اکیلا ہوں!
آنکھ میں تیرے کشتی کا صحرا ہے!
دل میں پاتال کی سی گہرائی!
اور کیا ہو رہِ شناسائی؟
اے مری بے سہاگ تنہائی!

Virtual Home
for Real People



ہمارے بعد سفیر صبا ہے آخر کون؟
تلاشِ منزلِ جاناں میں ہے مُسافر کون؟

ربینِ خلوتِ شبِ چاندنی سے پوچھ کبھی
کہ شہرِ شہر بھٹکتا ہے تیری خاطر کون؟

ہمیں عزیز تھی مقتل³³ کی آبرو -- ورنہ
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہو کا تاجر کون؟

ہمیں نے شیخ کا پندارِ خود سری توڑا
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟

سخنوری ہمیں وجہ شرف نہیں محسن
مگر ہمارے سوا شہر میں ہے شاعر کون؟



کب سے تم نے اپنایا اس طرح کا ہو جانا!
شب کو جاگتے رہنا دن میں تھک کے سو جانا

شہر میں تو مجھ جیسی بے شمار آنکھیں ہیں
تم بھی خیر سے جاؤ تم نہ اُن میں کھو جانا

عدل کی کٹہرے میں جرم بول پڑتا ہے
داغ داغ دامن سے کچھ لہو تو دھو جانا

زہر اُگلتے سانپوں کی پھنکار تلے؟
ویرانوں میں دفن خزانے کیسے ہیں؟

جن کی چاک قمیصیں تیرے ہاتھ لگیں
خاک پہنتے وہ دیوانے کیسے ہیں؟

جن کے جھرمٹ میں شمعیں دم توڑ گئیں
وہ پیارے پاگل پروانے کیسے ہیں؟

محسن ہم تو خیر خبر سے درِ گذرے
اپنے گھر کے لوگ نجانے کیسے ہیں؟

www.HallaGulla.com



سو بار اُجڑ کے پھر بسا ہوں
جنگل ہوں مگر ہرا بھرا ہوں

ہر شخص میں ڈھونڈتا ہوں خود کو
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں۔۔!

اب تیرا وصال --- رائیگاں ہے
میں کب کا اداس ہو چکا ہوں

اندھا ہوں پکڑ لے ہاتھ میرا!
اے ہجر کی شب میں بے عصا ہوں

خوش ہو اے بلندیوں کی خواہش
میں نوکِ سناں پہ سچ گیا ہوں

دریا کو شکست دی ہے میں نے
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں

کرتا ہے قبول کون مجھ کو ---؟
کٹتے ہوئے ہاتھ کی دُعا ہوں

سچ یہ ہے کہ اجنبی ہوں خود سے
کہنے کو میں سب سے آشنا ہوں

الچھا ہوں یہ سوچ کر ہوا سے

میں شہر کا آخری دیا ہوں!
 دن بھر کی تپش میں کون جھلسے!
 میں شب کو بدن پہ اوڑھتا ہوں
 محسن مجھے خود پہ نقشِ ناز کیسا؟
 میں یوں بھی مثالِ نقشِ پا ہوں

قبیلے والو!

قبیلے والو!
 تمہاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اترے
 تو دیکھ لینا!
 تمہاری بستی کی کچی پگڈنڈیوں کو
 پتھر نگل چکے ہیں

تمہارے پو پال
 سنگ بستہ حویلیوں میں بدل چکے ہیں
 تمہارے اُجلے مکان
 آہن مزاج زنداں میں ڈھل چکے ہیں
 تمہارے کھلیان

تیل پی کر اُگل رہے ہیں دھوئیں کی فصیلیں!
 جہاں پہ اُگتے تھے پھول، کھلتی تھیں نکھتوں کی رتیں ہمیشہ
 وہاں پہ بارود ناچتا ہے لہو کی برسات ہو رہی ہے
 سحر کی چادر بچھا کے منحوس رات
 نیچے پسارتی رات سو رہی ہے!!

قبیلے والو!
 تمہاری مہماں نوازیوں کی کہانیاں اب
 فقط کتابوں میں رہ گئی ہیں!
 محبتوں کے تمام جذبے
 گہن لگے چاند کی طرح ماند پڑ چکے ہیں
 تھکے ہوئے رہروؤں کی آنکھوں میں

نیند کا نور بانٹتے پیڑ جھڑ چکے ہیں
 رُتوں کے میلے اُجڑ چکے ہیں!!
 کسی کی بارات میں ستارے
 نہ مرنے والوں کے سوگ میں
 آنکھ نم۔۔۔ کسی کی!
 دل دھڑکتے ہیں آہٹوں پر
 نہ انتظارِ وصالِ جاناں میں
 جاگتی ہیں اداس آنکھیں
 نہ اضطرابِ شکستِ پیماں
 نہ موسمِ چاکِ حبیبِ ودا ماں!
 کسی درتچے پہ اب ٹھہرتی نہیں ہے
 موجِ صبا کی دستک!
 کوئی جلاتا نہیں اندھیروں کی صف میں
 اپنی انا کی مشعل
 کسی کے ماتھے پہ اب ابھرتی نہیں ہے
 اُجلے دنوں، نئے موسموں کی
 رخشندہ ترنگارش!
 قدمِ قدم سج گئے ہیں مقتل
 قدمِ قدم ہے لہو کی بارش!!
 تمہارے رشتوں کی۔۔۔
 آبِ سر سے لکھی ہوئی مستقل عبارت
 تمہاری تنہائیوں کی دیمک نے چاٹ لی ہے!
 قبیلے والو!
 تمہاری بستی کے اُس طرف
 شہد کی ندی سے پرے
 بہت دُور۔۔۔ دودھ کی نہر کے کناروں پہ
 ”موت“ منڈلا کے اپنے سودا گروں کے خیمے لگا رہی ہے!
 قبیلے والو!
 مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔
 میں نے بے دست و پا ہوا سے یہی سنا ہے
 کہ آنے والا ہر ایک موسمِ قضا کا موسم
 کہ آنے والی ہر ایک ساعت
 فنا بہ لب ہے
 کہ آنے والا ہر ایک لمحہ
 اُجل بہ پا ہے

مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔

اب کے تازہ عذاب اترے تو دیکھ لینا

قبیلے والو!

تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اترے
تو دیکھ لینا

www.HallaGulla.com



قدرِ جوہر ہے جو پندار سمیت
مجھ کو پرکھو مرے معیار سمیت

روز مانگیں یہ دعا --- خانہ بدوش
گھر نہ اُجڑیں درودیوار سمیت

کتنی بنجر ہوئی فصلِ آواز ---!
شہر چپ چاپ ہے بازار سمیت

کاش لوگوں کی طرح سُوئے چمن
ہم بھی جائیں کبھی دلدار سمیت

کون کرتا قد و قامت کا حساب؟
اک قیامت تھا وہ رفتار سمیت

مجھ جائیں کہیں آنکھیں میری
یاد آ، مشعلِ رخسار سمیت

خاک اُڑاتی ہوئی صدیوں سے ادھر
قالے گم ہوئے سالار سمیت

جن کی ہیبت سے ہراساں لشکر!!
بے نشان اب ہیں وہ تلوار سمیت

خط کشیدہ رہی جرأت جن کی!
سرکشیدہ ہیں وہی دار سمیت

ہوں درہم و دینار کی خیر
لوگ پکنے لگے کردار سمیت

میں کہ محسن ہوں شہید ناموس
دفن کرنا مجھے --- دستار سمیت!!



موسم کرب انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ

جھوٹ ہے سب خزاں کا خمیازہ
عکس رنگ رُخ بہار بھی جھوٹ

موت تیری طلب بھی لغزش لب
زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ

وسعت داستان شوق غلط
کوشش حرف اختصار بھی جھوٹ

خلقت شہر مصلحت پیشہ
ورنہ فرمان شہر یار بھی جھوٹ

نارسائی کو راستے مشکل!
کور چشمی کو کوہسار بھی جھوٹ

دور سے پیاس کو سراب چناب
اہل صحرا کو آبشار بھی جھوٹ

دسترس کا طلسم ہے ورنہ
سماعتِ جبر و اختیار بھی جھوٹ

پیرہنِ خونِ دل میں تر کر لو
ورنہ دامنِ تار تار بھی جھوٹ

صرف اُس کا سفر ہے سچ محسن ---!
میری رہ بھی مرا غبار بھی جھوٹ



تن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
دل میں اُتری ہے عجب سوختہ جاں شامِ فراق

خواب کی راکھ سمیٹے گی، پکھر جائے گی!
صورتِ شعلہ خورشیدِ رُخاں شامِ فراق

باعثِ رونقِ اربابِ جنوں --- ویرانی!
حاصلِ وحشتِ آشفٹہ سراں شامِ فراق

تیرے میرے سبھی اقرار وہیں پکھرے تھے
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے جہاں شامِ فراق

اپنے ماتھے پہ سجا لے تیرے رُخسار کا چاند!
اتنی خوش بخت و فلک ناز کہاں شامِ فراق؟

ڈھلتے ڈھلتے بھی ستاروں کا لہو مانگتی ہے
میری بجھتی ہوئی آنکھوں میں رواں شامِ فراق

اب تو ملبوس بدل کاکل بے ربط سنوار!

بجھ گئیں شہر کی سب روشنیاں، شامِ فراق
کتنی صدیوں کی تھکن اس نے سمیٹی محسن
یہ الگ بات کہ اب تک ہے جواں شامِ فراق



دیکھ رہیں احتیاط، یوں نہ ابھی سنبھل کے چل
صورتِ موجِ تند خو، سمت بدل بدل کے چل
قریہ جاں کے اُس طرف روشنیوں کی بھیڑ ہے
آج حدودِ ذات سے چار قدم نکل کے چل
دشتِ انا میں ہے تجھے تیرگیوں کا سامنا!
ذہن سے برف چھیل دے دھوپ بدن پہ مل کے چل
موجِ ہوا سے کر کشید اور سفر کا حوصلہ
راہ کے خار خار کو پھول سمجھ مسل کے چل
موسمِ بے قبا ٹھہر، وقتِ وداعِ شوق ہے
اوڑھ لے رات ہجر کی، درد کی لے میں ڈھل کے چل
نکتیہ رازِ دلنشین کون زماں کہاں زمیں؟
تو بھی تو بے کنار ہو، تہہ سے کبھی اُبل کے چل
جاگ بھی محسنِ حزیں، زندگیوں کا بھید پا
سانس کی ہر سراط پر ساتھ سدا اجل کے چل



اس دھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر

مجھ پہ گزرتے ابر کے سائے کی چھت نہ کر

اس دل کو فتح کر کے گُزر جا --- کہ خیر ہو
آباد اس زمیں پہ کوئی سلطنت نہ کر

غربت میں ٹوٹنے کا ہنر مت سیکھا مجھے
میں سنگ زاد ہوں مجھے شیشہ صفت نہ کر

اوقات بھول جاؤں گا اتنی اڑان سے
رہنے دے اب تو مجھ کو فلک مرتبت نہ کر

ناپیں گے کل مرے قد و قامت سے تجھ کو لوگ
اب اتنی بے دلی سے تو میری بُت نہ کر

اب دیکھ تیرے اپنے مقابل کھڑا ہوں میں
میں نے کہا نہ تھا کہ میری تربیت نہ کر

محسن تو آبروئے قلم کا امین ہے
سوداگرانِ فن کی کبھی منقبت نہ کر

شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

پھر سے کجلائی ہوئی شامِ شبِ افسردہ!
اپنے ہاتھوں میں لیے گل شدہ شمعوں کی قطار
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے صدیوں کا غبار
اپنی پلکوں پہ لیے خاکِ رہِ لیل و نہار
میرے اُجڑے ہوئے آنگن میں اُتر آئی ہے

بال بکھرائے ہوئے شامِ شبِ افسردہ!
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں
زرد آنکھوں میں سمیٹے ہوئے فریاد و فغاں

مثل مجروح لباً صورتِ آشفته سراں
مانگنے آئی ہے مدفون مہ و سال کی یاد
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رسوائی ہے

آج کی بات نہیں آج سے پہلے بھی یونہی
آتے جاتے ہوئے لمحوں کے بکھرتے پُرزے
جب ہوا بُرد ہوئے دل پہ قیامت ٹوٹی
آنکھ میں ٹوٹ کے چھتے رہے اک عمر کے خواب
شامِ افسردہ کو دینا پڑا لمحوں کا حساب
اپنا حاصل تو وہی روز کی تنہائی ہے!

آج کچھ اور ہی عالم ہے پس قریہ جاں
آج کچھ اور ہی منظر ہے سرِ سطحِ زماں
آج محرابِ دل و جاں میں کوئی عکس نہیں
حدِ امکاں پہ سراپوں کا سفر ختم ہوا
ازکراں تابہ گراں زرد خلاؤں کا گماں
آج خاکسترِ اُمید کی تہ تیخ بستہ
شہرِ افسوس کی ہر ایک روشِ ویراں ہے
ٹوٹے خواب نہ مدفون مہ و سال کی یاد
دل میں روشن کوئی چہرہ نہ خدوخال کی یاد!

دشتِ امکاں میں بس اک نقشِ فنا لہرائے
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش
آنکھ میں پھیلتے جاتے ہیں قضا کے سائے
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

اپنے اشکوں کی مدارات رہے یا نہ رہے
لب پہ پھر حرفِ مناجات رہے یا نہ رہے
آج کے بعد ملاقات رہے یا نہ رہے

ختم ہونے کو ہے تکرارِ لبِ افسردہ
اس سے پہلے کہ ڈھلے شامِ شبِ افسردہ
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے



رات کی زلفیں برہم برہم درد کی لو سے مدہم مدہم
 میرے قصے گلیوں گلیوں تیرا چرچا عالم عالم
 یا قوتی ہونٹوں پر چمکیں اُس کی آنکھیں نیلم نیلم
 چہرہ لال گلاب کا موسم بھگی پلکیں شبنم شبنم
 ایک جزا ہے جنت جنت ایک خطا ہے آدم آدم
 ایک لہو کے رنگ میں غطاں مقتل مقتل پرچم پرچم
 ایک عذاب ہے بستی بستی ایک صدا ہے ماتم ماتم
 ساری لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ساری آنکھیں پرِ غم پرِ غم
 ہجر کے لمحے زخمی زخمی اُس کی یادیں مرہم مرہم
 داد طلب اعجاز عصمت عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم
 محسن ہم اخبار میں گم ہیں صفحہ صفحہ
 کالم کالم کالم کالم کالم کالم



سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے!
 زمیں پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے
 سنورنے والے سدا آئینے کو ڈھونڈتے ہیں
 پچھڑ کے بھی وہ مری احتیاج رکھتا ہے؟
 ہم اُس کے حُسن کو تسخیر کر کے دیکھیں گے!
 جبین پہ کون شکن کا خراج رکھتا ہے

ترے بغیر یہاں کون زیرِ سایہ لب
جراحتِ دل و جاں کا علاج رکھتا ہے؟

خفا سہی وہ سخاوت سرشت جب بھی ملے!
بھرم انا کا، محبت کی لاج رکھتا ہے

صبا خرامِ خزاں پیرہن بہار بدن --!
وہ موسموں کا عجب امتزاج رکھتا ہے

چرا کے آنکھ سے کچھ خواب رکھ لیے محسن
کسان جیسے بچا کر اناج رکھتا ہے



وہ بچھڑ کر جو مل گیا پھر سے
گلِ اندیشہ کھل گیا پھر سے!

اے رہینِ جلوسِ لالہ رُخاں!
کچھ خبر لے کہ دل گیا پھر سے

لے اڑی پھر ہوا زمین سے اشک
رشتہ آب و گل گیا پھر سے

ہجر کی زد میں پھر بدن اپنا
اک مکان تھا کہ پل گیا پھر سے

شکریہ اے ہوئے ضبطِ جنوں!
پیرہن جاں کا سل گیا پھر سے

پھر سے ہم اس پتیل گئے محسن
اُس کے چہرے کا ”پتیل“ گیا پھر سے



یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!
یہی موسم ہے مر جانے کا موسم!!

وداع دست و داماں کی گھڑی ہے
کہ لوٹ آیا ہے گھر جانے کا موسم

گنو لمحے کھلی آنکھوں سے شب کے
یہ ہے سوتے میں ڈر جانے کا موسم

کئی اُلجھی رُتوں کے بعد آیا --!
تری زلفیں سنور جانے کا موسم

سفر تھا کون جانے کس نگر میں؟
وہ بھول آیا نکل جانے کا موسم

زمین کی پیاس کو کب راس آیا؟
چڑھے دریا اُتر جانے کا موسم

وہی ہم ہیں وہی مقتل کی دھج ہے
وہی جاں سے گزر جانے کا موسم

وہی اُس کے سفر کا تیز لمحہ!
وہی دل کے ٹھہر جانے کا موسم

یہاں زیر زمیں بسنے کی خواہش
وہاں گھسار پر جانے کا موسم

وہ بستی چاند سے چہرے وہ آنکھیں!
یہ موسم ہے اُدھر جانے کا موسم!

قیامت کی ہے دل سادہ چہ کا موسم
کسی کو چھوڑ کر جانے کا موسم

www.HallaGulla.com



فن کار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
بجھتا ہوا دیا نہ مقابل ہوا کے لا

دریا کا انتقام ڈبو دے نہ گھر ترا؟
ساحل سے روز روز نہ کنکر اٹھا کے لا

اب اختتام کو ہے سخی، حرف التماس
کچھ ہے تو اب وہ سامنے دستِ دعا کے لا

پیاں وفا کے باندھ مگر سوچ سوچ کر
اس ابتدا میں یوں نہ سخن انتہا کے لا

آرایشِ جراحتِ یاراں کی بزم ہے
جو زخمِ دل میں ہیں سہی تن پر سجا کے لا

تھوڑی سی اور موج میں آ، اے ہوائے گل
تھوڑی سی اُس کے جسم کی خوشبو چرا کے لا

گر سوچنا ہیں اہلِ مشیت کے حوصلے
میدان سے گھر میں ایک تومیت اٹھا کے لا

محسن اب اُس کا نام ہے سب کی زبان پر
کس نے کہا کہ اُس کو غزل میں سجا کے لا



دل میں اور چشمِ تر میں کیا کچھ تھا
تجھ سے پہلے نظر میں کیا کچھ تھا

وہ جو لٹ کر ہوئے ہیں شہرِ بدر
اُن سے پوچھو کہ گھر میں کیا کچھ تھا؟

خیر گزری کہ سچ گئے مقتل!
ورنہ سودا تو سر میں کیا کچھ تھا؟

دُھول اُڑنے لگی تو یاد آیا
کل تک اس رہگزر میں کیا کچھ تھا؟

دیکھ اب کے سفر میں کچھ بھی نہیں
سوچ اگلے سفر میں کیا کچھ تھا؟

دُھل گئی دُھوپ، بُجھ گیا سورج
سایہ بام و در میں کیا کچھ تھا؟

پوچھ اپنی اُداس آنکھوں سے!
میرے دل کے کھنڈر میں کیا کچھ تھا؟

کچھ تو بول اے ستارہ آخر!
شب کے پچھلے پہر میں کیا کچھ تھا؟

جو ترے گنج لب سے پھوٹی تھی
اُس نشیلی سحر میں کیا کچھ تھا

تیرے نزدیک بے ہنر ہنر ٹھہرے
ورنہ اپنے ہنر میں کیا کچھ تھا

تو نے بھیجی تھی جو بدستِ صبا!

کیا کہیں اُس خبر میں کیا کچھ تھا؟
 ہم نے مانگی تھی جو بوقتِ وداع!
 اُس دُعا کے اثر میں کیا کچھ تھا؟
 جب تجھے چھو لیا تو کیوں سوچیں؟
 حُسنِ لعل و گہر میں کیا کچھ تھا؟
 عشرتِ ابر پر نہ کیا کچھ محسن!
 حسرتِ کوزہ گر میں کیا کچھ تھا؟

میرے کمرے میں اتر آئی
 خموشی پھر سے!

میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے
 سایہ شامِ غریباں کی طرح
 شورشِ دیدہ گریاں کی طرح
 موسمِ بچِ بیباں کی طرح
 کتنا بے لطف ہے یادوں کا ہجوم
 جیسے ہونٹوں کی فضا بخستہ
 جیسے لفظوں کو گہن لگ جائے
 جیسے روٹھے ہوئے رستوں کے مسافر چپ چاپ
 جیسے مرقد کے سرپانے کوئی خاموش چراغ
 جیسے سنسان سے مقتل کی صلیب!
 جیسے کجلائی ہوئی شب کا نصیب!
 میرے کمرے میں اتر آئی خموشی
 پھر سے!
 پھر سے زخموں کی قطاریں جاگیں!
 اوّلِ شامِ چراغاں کی طرح!
 ہر نئے زخم نے پھر یاد دلایا مجھ کو
 اسی کمرے میں کبھی

مُحفلِ احباب کے ساتھ
گنگناتے ہوئے لمحوں کے شجر پھیلتے تھے
رقص کرتے ہوئے جذبوں کے دھکتے لمحے
قریہ جاں میں لہو کی صورت
شمعِ وعدہ کی طرح جلتے تھے!
سانس لیتی تھی فضا میں خوشبو
آنکھ میں ”گلبنِ مرجاں“ کی طرح
سانس کے ساتھ گہر ڈھلتے تھے!
آج کیا کہیے کہ ایسا کیوں ہے؟

شام چپ چاپ

فضا بستی

دل مراد دل کہ سمندر کی طرح زندہ تھا
تیرے ہوتے ہوئے تنہا کیوں ہے؟
تو کہ خود چشمہ آواز بھی ہے
میری محرم مری ہمراز بھی ہے!
تیرے ہوتے ہوئے ہر سمت اُدا سی کیسی؟

شام چپ چاپ

فضا بستی

دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے!
روح سے رشتہ جاں چھوٹ رہا ہو جیسے!!

اے کہ تو چشمہ آواز بھی ہے

حاصلِ نعمتی ساز بھی ہے!

لب کشا ہو کہ سرِ شامِ فگار

اس سے پہلے کہ شکستہ دل میں

بدگمانی کی کوئی تیز کرن چھ جائے

اس سے پہلے کہ چراغِ وعدہ

یک بیک بجھ جائے!

لب کشا ہو کہ فضا میں پھر سے

جلتے لفظوں کے دھکتے جگنو

تیر جائیں تو سکوتِ شب عریاں ٹوٹے

پھر کوئی بند گریباں ٹوٹے!

لب کشا ہو کہ مری نَس نَس میں

زہر بھر دے نہ کہیں

وقت کی زخم فروشی پھر سے

لب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی
خود فراموشی پھر سے
میرے کمرے میں اتر آئی
خموشی پھر سے!!

www.HallaGulla.com



اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟
بس بہ اندازِ غزل اُس کا سراپا لکھنا
اُس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا پڑھنا
دل کو سیلاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھنا
بزمِ خورشید رُخاں میں وہ الگ سب سے الگ
حلقہ گلِ بدناں میں اُسے یکتا --- لکھنا
اُس کی زلفوں میں اندھیروں کو بیکھرنے دینا
اُس کے چہرے کو مگر چاند کا ٹکڑا لکھنا
اُس کے اُبرو کو ہلالِ شب وعدہ کہنا
اُس کے رُخسار کی سُرخی کو شفق سا لکھنا
اُس کے ماتھے پہ سجانا کئی صُبحوں کے ورق
اُس کی جھکتی ہوئی پلکوں پہ فسانہ لکھنا
اُس کی آہٹ سے چُرا لینا چٹکتی کلیاں
اُس کے قامت پہ قیامت کا قصیدہ لکھنا
گھولنا دُھوپ میں خود اُس کے بدن کی چاندی
اُس کے سائے کو قسم کھا کے سنہرا لکھنا

صبح کی پہلی کرن اُس کے تبسم کی زکوٰۃ
شام کو بخشش دلدل کا دریا لکھنا

اُس کے ملبوس کو رنگوں کے سمندر جیسا
اُس کے آنچل کو سمندر کا کنارہ لکھنا

زندگی مرحمتِ جنش لب کا اقرار
اُس کی ہر سانس کو اعجازِ مسیحا لکھنا

اُس کی باتوں کو تلاوت کی طرح دُہرانا
اُس کے ملنے کو بھی الہام کا لمحہ لکھنا

شب کو انگڑائی سے جب اُس کا بدن ٹوٹتا ہے
اوج پر اپنے مقدر کا ستارا لکھنا

وہ اگر خواب میں بلیقے کی صورت اُترے
خواب کو خواب نہیں ملکِ سبا کا لکھنا

دیکھ لینا کبھی اغیار کی محفل میں مگر
دل کی باتوں پہ نہ جاناً اُسے ”اپنا“ لکھنا

ذکرِ مقتل کا جو کرنا ہو تو محسنِ پیارے
اپنے قاتل کو بہر طور ”مسیحا“ لکھنا

Virtual Home
for Real People
☆

اِس کو نبھنے سے بچا لے اے غمِ یاراں کی رات!
آخری آنسو یہ کربِ رایگاں کی کائنات!!

ایک ہی جذبے کے پہلو کیا خوشی کیا رنجِ ذات
ایک ہی جانب رواں ہیں کیا جنازہ کیا برات

اپنی سوچیں حادثوں کے ساتھ مصروف سفر
جس طرح موج ہوا کی زد میں سادہ کاذبات

چاند نے موجوں کی تہہ میں چھپ کے دیکھی رات بھر
ایک پرچھائیں رواں بہتی ندی کے ساتھ ساتھ

آگہی کا زر نہ ہاتھ آیا نہ اجرِ عاشقی!
میں نے کتنی بار توڑا ہے بدن کا سومات

مر گیا شاعر تو بچوں کو ملی میراث میں!
میز بوسیدہ قلم قرضے مرضِ ٹوٹی دوات

میں تو محسن بڑھ چلا تھا حد سے اُس کے شوق میں
دل نے سمجھایا کہ لازم ہے ذرا سی احتیاط



کبھی غزل میں در آیا کبھی فسانہ ہوا
وہ جس سے اپنا تعارف بھی غائبانہ ہوا

عجب ہے اُس سے جدائی کے بعد کا لمحہ
کہ جیسے ترکِ تعلق کو اک زمانہ ہوا

دُعائے نیم شبی حدِ ختم کو پہنچی!
یہ اور بات کہ بابِ قبول وا نہ ہوا

یہی بہت ہے گواہی مری رفاقت کی
کہ میرا سایہ تری دھوپ سے جدا نہ ہوا

ڈھلی ہے رات چلو اپنے گھر کو ہو آئیں
کہ لوٹ آئیں گے دروازہ گر کھلا نہ ہوا

سَم جہاں کا، تغافل ترا، عدو کا کرم
ہوا ہے جو بھی مرے ساتھ مُنصفانہ ہوا

ملا ہے اپنی ہی پلکوں کی جھالروں سے ادھر
وہ حرف بن کے زباں سے کبھی ادا نہ ہوا

شعورِ حُسن اُسے کب تھا اس طرح محسن
مزاج اپنی غزل کا ہی عاشقانہ ہوا

مرا ہونا نہ ہونا۔۔۔۔۔!

مرا ہونا نہ ہونا منحصر ہے
ایک نقطے پر
وہ اک ”نقطہ“

جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر
”لفظ“ کی تشکیل کرتا ہے
وہ اک نقطہ سمٹ جائے تو
”ہونے“ کا ہر اک امکان
”نہ ہونے“ تک کا سارا فاصلہ
پل بھر میں طے کر لے!

وہی نقطہ بٹھ جائے
تو ہر اک شے
”نہ ہونے“ کے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر رکھ دے
”وہ اک نقطہ“ مری آنکھوں میں اکثر
روشنی کے سات رنگوں کو اُگاتا ہے!

مرے ادراک میں شبِ نیم کی صورت
یا ستارے کی طرح لوحِ یقین پر جگمگاتا ہے
وہی نقطہ مجھے تشکیک کے جنگل میں
جگنو بن کے منزل کی طرف رستہ دکھاتا ہے
مجھے اکثر بتاتا ہے
مرا ”ہونا“ ”نہ ہونے“ کا عمل ٹھہرا

مگر میرے ”نہ ہونے“ سے
 مرے ”ہونے“ کی بھی تکمیل ہوتی ہے!
 وہ اک نقطہ کہاں ہے؟
 کون ہے؟
 کس کے لبوں میں چھپ کے ہر اثبات کو
 انکار میں تبدیل کرتا ہے
 جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر لفظ کی تشکیل کرتا ہے
 یہ نکتہ بھی اُسی نقطے میں مضمر ہے
 وہ اک نقطہ کہ اب تک جس کے ہونے کا میں ہوں میں
 وہ افشا ہو۔۔۔ تو میں سمجھوں
 کہ ”ہوں“ بھی یا ”نہیں ہوں“ میں؟

پاگل لڑکی

اک دن اک پاگل لڑکی نے
 اپنے گھر کی اونچی چھت سے
 اپنے سارے خواب اُتارے
 خواہش کے ٹکڑوں کو جوڑا
 گیلے کپڑے
 تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے
 کالے حرفوں والے کاغذ
 پرس میں رکھے
 پیلے چاند کی پھکی چھاؤں
 اپنی گچی آنکھوں اندر
 آپ سمیٹے
 رشتوں کی سنجیریں توڑ کے
 گھر سے نکلی!

شہر کی ساری روشنیوں نے
 اُس کی آنکھیں
 رنگ برنگی دیواروں پر
 چسپاں کر دیں
 جاگتی سوتی آنکھوں والی اُس لڑکی نے

مڑ کر دیکھا
گھر جانے کے سارے رستے
اُس سے اوجھل۔۔
آنکھیں بوجھل!!

اب وہ اپنے آپ کو جیسے ڈھونڈ رہی ہے
ہر جانب انجانے سائے
اُس سے آنکھیں مانگ رہے ہیں
اور وہ ہر اک موڑ پہ رُک کر
اپنے آپ سے پوچھ رہی ہے
اپنے گھر کا پہلا رستہ!!
وہ کتنی پاگل لڑکی تھی۔۔۔۔!
اور وہ تم ہو!!

میرے نام سے پہلے

اَب کے اُس کی آنکھوں میں
بے سبب اُداسی۔۔۔ تھی!
اَب کے اُس کے چہرے پر
دُکھ تھا۔۔۔ بے حواسی تھی!

اب کے یوں ملا۔۔۔ مجھ سے
یوں غزل سُنی۔۔۔ جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں
وہ بھی۔۔۔ اجنبی جیسے

زرد خال و خد اُس کے
سوگوار دامن۔۔۔ تھا
اَب کے اُس کے لہجے میں
کتنا کھر درا پن تھا۔۔۔!

وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن --- جانا
دل سے آشنا --- لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو ”دلربا“ لکھا

اب کے سادہ کاغذ پر
سُرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے!
صرف ”بے وفا“ لکھا



دور تک پھیلا ہے صحرائے اجل
اے شب ہجراں مرے ہمراہ چل

سانس کا ریشم جھلس جانے کو ہے ---
ڈھل کہیں اے دو پہر کی دھوپ ڈھل!

روح کے زخمی پرندے اب نہ سوچ
گھل گیا زنداں کا دروازہ نکل!

ٹل گئی ہر اک قیامت ٹل گئی
ہم رہے اپنے اصولوں میں اٹل!!

دم تو لے اے دردِ ہجر دوستاں
ہم بھی سولیں تو بھی اب کروٹ بدل

اور بھی کچھ شمعیں شاید جل بجھیں
اور بھی کچھ اے دلِ ناداں مچل

راکھ ہو جائے نہ دل کی شعلگی
اس قدر پتھر نہ بن، جاناں پگھل

ہانپنے کو ہیں ہوا کی وحشتیں
اے چراغِ رہگذر کچھ اور جل!!

یوں لگا وہ نیند سے جاگا ہوا
جیسے پچھلی رات کو تازہ غزل

آنسوؤں میں اُس کے چہرے کی دمک
پانیوں میں جس طرح کھلتا کنول

اُس کی منزل سامنے ہے جی نہ ہارا!
اے مرے دل اے مرے ساتھی سنبھل

کچھ بتاتا ہی نہیں غم کا سبب
بس یونہی گم سم ہے محسن آج کل



وسعتِ چشم تر بھی دیکھیں گے
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر نہ لب اپنے
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے!!

ہجر کی شب سے حوصلے اپنے
بچ گئے تو سحر بھی دیکھیں گے

رات ہونے دو، لوگ سونے دو!
چاند کو در بدر بھی دیکھیں گے

اک دعا، دل سے چھپ کے مانگی تھی
اُس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے!!

اک پُرانا سفر تو ختم ہوا
اک نئی رہگذر بھی دیکھیں گے

گن تو لینے دو بے کفن لاشیں!
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

چھیڑ کر دل کی راکھ کو محسن
اب کے رقصِ شرر بھی دیکھیں گے



راحتِ دل، متاعِ جاں ہے تو
اے غمِ دوست جاوداں ہے تو

آنسوؤں پر بھی تیرا سایا ہے
دھوپ کے سر پہ سائباں ہے تو

دل تری دسترس میں کیوں نہ رہے
اس زمیں پر تو آسماں ہے تو

شامِ شہرِ اداس کے والی
اے مرے مہرباں کہاں ہے تو؟

سایہِ ابرِ رائیگاں ہوں میں
موجہِ بحرِ بیکراں ہے تو

میں تہی دست و گردِ پیراہن
لعل و لماس کی دُکاں ہے تو

لمحہ بھرِ مل کے روٹھنے والے
زندگی بھر کی داستاں ہے تو

کُفر و ایماں کے فاصلوں کی قسم
اے متاعِ یقین، گُماں ہے تو

تیرا اقرار ہے --- نفی میری
میرے اثبات کا جہاں ہے تو

اے مرے لفظ لفظ کا مفہوم!
نطق بے حرف و بے زباں ہے تو

جو مقدر سنوار دیتے ہیں!
اُن ستاروں کی کہکشاں ہے تو

بے نشاں بے نشاں خیام مرے
کاروں کارواں - رواں ہے تو

اے گریباں نہ ہو سپردِ ہوا
دل کی کشتی کا بادباں ہے تو

جلتے رہنا چراغِ آخرِ شب
اپنے محسن کا رازداں ہے تو

اب تو یوں دیدہ تر کھلتا ہے
جیسے زنداں کا در کھلتا ہے

کس نے پایا ہے دفینے کا سراغ؟
کب کوئی اہل ہنر کھلتا ہے

خاک اُرانے کو چلی آئی -- ہوا!
اپنا سامان سفر کھلتا ہے

کھل گیا اُس کی محبت کا بھرم
جیسے چوفاں میں بھنور کھلتا ہے

قفسِ جاں سے بصد ناز نکل
کیوں سمیٹے ہوئے پر کھلتا ہے

کچھ خبر دل کی بھی اربابِ جُوں!
مدتوں بعد یہ گھر کھلتا ہے

بندشیں پوچھ نہ ہم پر اُس کی
لمحہ بھر کو بھی اگر کھلتا ہے

دل کو دے گا وہ رفاقت کی تپش
راکھ سے جیسے شرر کھلتا ہے

پھول سے موجِ صبا کہتی تھی
جاگِ بازارِ سحر کھلتا ہے

تھام کشکولِ دُعا کو محسن
دامنِ حرفِ اثر کھلتا ہے



منصب بقدر قامت کردار چاہیے
کٹتے ہوئے سروں کو بھی دستار چاہیے

اک صبح بے کفن کو ضرورت ہے نوحہ گر
اک شام بے ردا کو عزادار چاہیے

سورج نے سر پہ تان لیا شب کا سائباں
اب دھوپ کو بھی سایہ دیوار چاہیے

ہیرے نہ ہوں تو اشک سجا لو دکان میں
سودا گروں کو گرمی بازار چاہیے!!

ایسا نہ ہو کہ برف ضمیروں کو چاٹ لے
بیخ بستگی کو شعلہ پندار چاہیے

اذن سفر ملا ہے تو حد نظر غلط!
پرواز آسمان کے بھی اُس پار چاہیے

خوشبو کی جھانجھریں ہیں ہواؤں کے پاؤں میں
شاید سکوتِ دشت کو جھنکار چاہیے

ہے مدعی کی فکر نہ مجرم سے واسطہ
منصف کو صرف اپنا طرفدار چاہیے

شورش لہو کی ہو کہ ہو محسن اذانِ شوق
غوغا کوئی تو آج سردار چاہیے

تھک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی!
 اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔
 تھک جاؤ گی!!
 کانچ سے نازک خواب تمہارے
 ٹوٹ گئے تو
 پچھتاؤ گی!!

سوچ کا سارا اُجلا کندن
 ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
 کچے پکے رشتوں کی خوشبو کا ریشم
 کھل جائے گا۔۔!

تم کیا جانو؟
 خواب سفر کی دھوپ کے تیشے
 خواب ادھوری رات کا دوزخ
 خواب خیالوں کا پچھتاوا
 خوابوں کی منزل رُسوائی!
 خوابوں کا حاصل تنہائی!!
 تم کیا جانو؟
 مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
 آنکھیں پینا پڑتی ہیں۔۔۔ یا
 رشتے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پانگو
 پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو
 اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔!!
 تھک جاؤ گی!!

یہ مرا شہرِ صحرِ اصفت!

اجنبی دیکھنا یہ وہی شہر ہے
 مرا شہر صحرا صفت دشتِ خو
 جس کے رستوں کی مٹی مری آبرو
 جس کی گلیاں لکیریں مرے بخت کی
 جس کے ذرے مہ و مہر سے قیمتی!

یہ وہی شہر ہے --- اجنبی دیکھنا!
 جس کی چاہت کی تعزیر میں عمر بھر
 میری آوارگی کے فسانے --- بنے!
 جس کی خاطر مرے ہم سخن ہمسفر
 بے سبب تہمتوں کے نشانے بنے!
 جس کی بخشش کی تاثیر کے ذائقے
 میری تشہیر کو تازیانے بنے!
 میری دیوانگی نے تراشا جنھیں
 وہ سیہ پوش لمحے زمانے بنے!

اجنبی دیکھنا یہ وہی شہر ہے
 جس کی جلتی ہوئی دوپہر میں سدا
 خواب بنتی رہی نوجوانی مری!
 جس کے ہر موڑ پر راہ کے ڈھیر میں
 دفن ہوتی رہی ہر کہانی مری

جس کی پڑھول راتوں کی محراب میں
 میری غزلوں کے خورشید جلتے رہے
 جس کی تیج بستے صبحوں کے اصرار پر
 میرے آنسو شراروں میں ڈھلتے رہے

یہ وہی شہر ہے جس کے بازار میں
 بارہا میرا پندار بیچا --- گیا!
 موسمِ قحط کو ٹالنے کے لیے!
 میرے دامن کا ہر تار بیچا گیا

اجنبی دیکھنا --- دیکھنا اجنبی!
 اپنے صحرا صفت شہر میں آج پھر
 میں دریدہ بدن میں بُریدہ قبا

دردِ در خواہشوں کی کٹی انگلیاں
ریزہ ریزہ مہ و سال کے ذائقے
پانپتے کانپتے دل کی شوریدگی
عمر بھر کی کمائی ہوئی شہرتیں
لمحہ لمحہ سلگتی ہوئی زندگی
ناچتی تہمتوں کی کھلی وحشتیں
لب پہ مجروح لفظوں کی چبھتی تھکن
تن پہ یاقوت زخموں کے تمنے لیے
سر جھکائے ہوئے راکھ کے ڈھیر پر
سوچتا ہوں کہ ہاں یہ وہی شہر ہے
جس سے منسوب ہے میرا نام و نسب
میرا فن میری تخلیق میرا ادب
شورش چشمِ نم --- نوحہ زیر لب
سب اسی شہر صحرا صفت کے لیے

میں مگر آج اس شہر کی بھیڑ میں
صورت موج صحرا اکیلا بہت!
میرے چہرے پہ کوئی گواہی نہیں
کچھ بھی حاصل مرا جُز تباہی نہیں

یوں بھی ہے کل جہاں میں تھا مسند نشین
اُس جگہ خیمہ زن اب نئے لوگ ہیں
خود سے آباد کر قریہ شب مجھے
کوئی پہچانتا ہی نہیں اب مجھے!!

دل میں چھبتی ہوئی درد کی لہر ہے
میرے سچ کا صلہ ساغرِ زہر ہے
سائس لینا یہاں جبر ہے قہر ہے
اجنبی دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ وہی شہر ہے۔۔۔۔!



جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے؟
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے - کب سے!

میں کہ قسمت کی لکیریں بھی پڑھا کرتا تھا
کوئی آیا ہی نہیں ہاتھ دکھانے کب سے

نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو!
مجھ سے رُخ پھیر لیا میرے خدانے کب سے

جاں چھڑکتے تھے کبھی خود سے غزالاں جن پر
بھول بیٹھے ہیں شکاری وہ نشانے کب سے

وہ تو جنگل سے ہواؤں کو پُرا لاتا تھا
اُس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے؟

شہر میں پرورشِ رسم جنوں کون کرے؟
یوں بھی جنگل میں ہیں یاروں کے ٹھکانے کب سے؟

آنکھ رونے کو ترستی ہے تو دل زخموں کو
کوئی آیا نہیں احسان جتانے کب سے

جن کے صدقے میں بسا کرتے تھے اُجڑے ہوئے لوگ
لُٹ گئے ہیں سرِ صحرا وہ گھرانے کب سے

لوگ بے خوف گریباں کو گھلا رکھتے ہیں
تیر چھوڑا ہی نہیں دستِ قضا نے کب سے

جانے کب ٹوٹ کے برسے گی ملامت کی گھٹا؟
سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں دوانے کب سے

جن کو آتا تھا کبھی حشر جگانا محسن
بختِ خفتہ کو نہ آئے وہ جگانے کب سے!

www.HallaGulla.com



ہوا چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
چراغِ شامِ سفر نے بجھا دیا ہے مجھے

مرے بدن میں پڑی جب بھی زلزلے کی دراڑ
مرے کماں نے بہت آسرا دیا ہے مجھے

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا
ذرا سی چھاؤں میں اُس نے بھلا دیا ہے مجھے

نئے دنوں کے لیے نیند نوچنا -- کیسا؟
گئے دنوں کی رفاقت نے کیا دیا ہے مجھے؟

وہ تیری یاد کہ انگلی پکڑ کے چلتی تھی
اُسی نے راہ میں آخر گنوا دیا ہے مجھے

بجھا تھا زہر میں ہر تارِ پیرہن اپنا
مری قبا نے دریدہ بدن کیا دیا ہے مجھے

حصارِ دیدہ تر میں سمٹ گئے منظر
تھکاؤں نے عجب حوصلہ دیا دیا ہے مجھے

نچرتے جاتے ہیں سب خواب اپنی پلکوں سے
یہ کس نے جاگتے رہنا سکھا دیا ہے مجھے

میں روشنی کی علامت نہ فصلِ گل کا سفیر

سحر کی شاخ پہ کس نے سجا دیا ہے مجھے
مرے دیارِ پرستش میں آسماں تھا وہ شخص
اُسی نے اپنی نظر سے گرا دیا دیا ہے مجھے
اُجاڑ دن تھا وہ محسن نہ ذکرِ شامِ فراق
ہنسی خوشی یونہی اُس نے رُلا دیا دیا ہے مجھے



تم نہیں، بچپن کی ضد میں، تم سی کتنی لڑکیاں
اب پرانے دامنوں پر کاڑھتی ہیں تتلیاں
دل میں تنہائی کا سناٹا عذابِ حشر ہے
رات بھر بجتی ہیں میرے گھر کی ساری کھڑکیاں
میں شکستہ آئینوں کے شہر میں پھرتا رہا
ہاتھ میں تیرا پتہ پاؤں میں چھنتی کرچیاں
اُس کی جرأت پھانک لی تھی جُھجئے رزق نے
سہہ گیا وہ آتے جاتے گاہوں کی جھڑکیاں
دُوبنے والوں کی آوازیں خلا میں کھو گئیں
لوگ چُنتے ہی رہے ساحل سے تازہ سپیاں
ہجر کے سارے فسانے سب بہانے سچ مگر
کچھ مسائل اور بھی تھے اُس کے میرے درمیاں
روشنی مانگی تھی، سُنتے ہیں، بزرگوں نے کبھی
ڈھونڈتی ہیں بستیوں کو اب بھی انڈھی بجلیاں
اب لُٹے لاشوں جلے خیموں کا پُرسہ کس کو دیں؟

رہ گئیں صحرا میں بچوں کی اُدھوری ہچکیاں
ہم گریبانوں سے جائیں گے تو کیا، محسن مرے
دوستوں کے ہاتھ تو رہ جائیں گی کچھ دھجیاں



کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
عمر گزری ہے خودکشی کرتے!!

بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے

کون دشمن تری طرح کا تھا؟
اور ہم کس سے دوستی کرتے؟

بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے

عشق اُجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے

اس تمنا میں ہو گئے رُسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے

حُسن اُس کا نہ کھل سکا محسن
تھک گئے لوگ شاعری کرتے



ستم کو مصلحتِ حُسنِ تافل کو ادا کہنا
اُسے اب اور کیا لکھنا؟ اُسے اب اور کیا کہنا؟

یہ رسمِ شہرِ ناپڑساں ہمارے دم سے قائم ہے
کہ ہر اک اجنبی کو مُسکرا کر آشنا کہنا

جلوسِ دِلِ فکاراں میں نہ کرنا بات تک لیکن
جھومِ گلِ عذراں میں اُسے سب سے جدا کہنا

سفر میں یوں جُمارِ تشنگی آنکھوں میں بھر لینا
چمکتی ریت کو دریا، بگوئے کو گھٹا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
تو اس پر بھی سلامت ہے دِل خوش فہم کیا کہنا!

دلِ بے مدعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے
مجھے اچھا نہیں لگتا دُعا کو التجا کہنا۔!

مرے محسن یہ آدابِ مسافت سیکھنا ہوں گے
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

Virtual Home
for Real People

سُن لیا ہم نے.....!

سُن	لیا	ہم	نے	فیصلہ	---	تیرا
اور	سُن	کر	اُداس	ہو	بیٹھے	
ذہن	چُپ	چاپ	آنکھ	خالی	ہے	
جیسے	ہم	کائنات	کھو	بیٹھے		

دُھندلے دُھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلیاں --- تیری
بھولی ب سری ہوئی رُتوں سے اُدھر
یاد آئیں --- تسلیاں --- تیری!

دل یہ کہتا ہے --- ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دُھوپ ڈھلنے تک
اعترافِ شکست کیا کرنا! ---
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

دل یہ کہتا ہے --- حوصلہ رکھنا
سنگِ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے!
جائے والے پلٹ بھی سکتے ہیں۔!

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
مناظر بجھے بجھے --- دیکھیں؟
اک طرف تو ہے اک طرف دل ہے
دل کی مانیں -- کہ اب تجھے دیکھیں؟

خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی --- حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس!
بے رفو سوچ، رُوح گھائل ہے

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی اُمرت سمجھ کے پی لیں گے!
ورنہ پیوں ہے کہ دامنِ دل میں!
چند سانس ہیں گن کے جی لیں گے!

اتنا خالی تو گھر نہیں، ہم ہیں!
ہم نہیں ہیں مگر نہیں، ہم ہیں!!

چشمِ دشمن کے خوف سے پوچھو
نوکِ نیزہ پہ سر نہیں، ہم ہیں

شامِ تنہائی غم نہ کر کہ ترا
کوئی بھی ہمسفر نہیں، ہم ہیں

چاند سے کہہ دو بے دھڑک اترے
گھر میں دیوار و در نہیں، ہم ہیں

وہ جو سب سے ہیں بے خبر، تم ہو
جن کو اپنی خبر نہیں، ہم ہیں

کیوں جلاتے ہو گھر جھونپڑی
اس میں لعل و گھر نہیں، ہم ہیں

ہم ہیں ہم زائد رات کے محسن
جن کی قسمت سحر نہیں، ہم ہیں

Virtual Home
for Real People

کوئی پیغام نہ دلدار نوا تیرے بعد
خاک اڑاتی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد

لب پہ اک حرفِ طلب تھا نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد

عکس و آئینہ میں اب ربط ہو کیا تیرے بعد
ہم تو پھرتے ہیں خود اپنے سے خفا تیرے بعد

دھوپ عارض کی نہ زلفوں کی گھٹا تیرے بعد
ہجر کی رت ہے کہ جس کی فضا تیرے بعد

لیے پھرتی ہے سر گونے بجا تیرے بعد
پرچم تارِ گریباں کو ہوا تیرے بعد

پیرہن اپنا سلامت نہ قبا تیرے بعد
بس وہی ہم وہی صحرا کی ردا تیرے بعد

نکبت وئے ہے تہ دستِ قضا تیرے بعد
شاخِ جاں پر کوئی غنچہ نہ کھلا تیرے بعد

دل نہ مہتاب سے الجھا نہ جلا تیرے بعد
ایک جگنو تھا کہ چپ چاپ بجھا تیرے بعد

کون رنگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد؟
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سجا تیرے بعد

درد سینے میں ہوا نوحہ سرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

ایک ہم ہیں کہ ہیں بے برگ و نوا تیرے بعد
ورنہ آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد

ایک قیامت کی خراشیں ترے چہرے پہ سبجیں
ایک محشر مرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مَر جھا کے ہوا بُرد ہوا
کون دیتا مجھے کھلنے کی دُعا تیرے بعد؟

اے فلک نازِ مری خاک نشانی تیری
میں نے مٹی پہ ترا نام لکھا تیرے بعد

تو کہ سمٹا تو رگِ جاں کی حدوں میں سمٹا
میں کہ بکھرا تو سمیٹا نہ گیا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے ---!
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

بجھتے جاتے ہیں خدوخالِ مناظرِ آفاق!
پھیلتا جاتا ہے خواہش کا خلا تیرے بعد

یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تو ورنہ
میں نے کتنا تجھے محسوس کیا تیرے بعد

میری دُکھتی ہوئی آنکھوں سے گواہی لینا
میں نے سوچا تجھے اپنے سے سوا تیرے بعد

سہ لیا دل نے ترے بعد ملامت کا عذاب
ورنہ چبھتی ہے رگِ جاں میں ہوا تیرے بعد

جانِ محسنِ مرا حاصل یہی مُہمِ سطریں!
شعر کہنے کا ہنر بھول گیا تیرے بعد



بھولے بسرے ہوئے بامِ ودر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
بے کراں دشت میں اپنے گھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

چل پڑے ہو تو اب آنکھ پر ٹوٹتے آبلے باندھ لو
راہ میں ختمِ شامِ سفر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جس کے بعد اپنی راتوں کی ہریالیاں بانجھ بنجر بنیں
ایسی کم یاب تنہا سحر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

ضبط کا زہر تھا، ہنس کے پینا پڑا، پی چکے جی چکے!
چند لمحوں کو اب چارہ گر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

رات پھر دل میں چمھتا ہو ایک پل کہہ گیا آنکھ سے
رائیگاں آس پر عمر بھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جن کو محسنِ قفس میں دہکتی ہوئی زندگی راس ہے
اُن پرندوں کو اب بال و پر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟



نفس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا
اہلتی مے تھی، شکستہ ایام ہونا تھا

جہاں جہاں سے گزرنا تھا تیری خوشبو کو
رُوش رُوش کو ہواں باغ باغ ہونا تھا

ملے تھے شامِ سفر میں تو پھر بوقتِ فراق
تجھے ہوا تجھے آخر چراغ ہونا تھا

وہاں تو رسم تھی خنجر کو صاف رکھنے کی
مری قبا کو وہاں داغ داغ ہونا تھا

وہ اشکِ شامِ غریباں میں بجھ گیا جس کو
خطِ مسافتِ شب کا سراغ ہونا تھا

تمہاری سوچ بھی آخر بہک گئی محسن
تمہیں تو شہر میں روشن دماغ ہونا تھا



شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سامنا
ایک چراغِ کم نفس --- اور ہوا کا سامنا

وقت ملے تو پوچھنا دل زدگانِ شوق سے
موسم گوشہ نفس اور ہوا کا سامنا

دائرہ حواس میں ایک قبا کی سلوٹیں
دل پہ جنوں کی دسترس --- اور ہوا کا سامنا

پچھلے برس تو بچ گئے --- اور ہوا تھی سامنے
کرنا پڑے گا اس برس --- اور ہوا کا سامنا

ہمسفر و دعا کرو کاش ہمیں نصیب ہو
رات کی رانیوں کا رس اور ہوا کا سامنا

آنکھ میں قحطِ آب سے دیکھ دیے نبجھے ہوئے
دل نے کہا کہ یار بس؟ اور ہوا کا سامنا

ابھی نہ رُکنا۔۔۔۔۔!

میں معترف ہوں

کہ تم نے اپنے قلم سے
پتھر کی مورتوں کے بدن کی
شکنیں درست کی ہیں!

کہ تم نے پلکوں سے
ریزہ ریزہ بکھرتی نیندوں
کو چُن کے لفظوں میں گھولنے کا
ہنر تراشا

کہ تم نے مدفون روز و شب کے
کوڑھو لے اور اُن کے پیچھے
بُجھے چراغوں کی سربریدہ لوؤں کو
اپنے لہو سے روشن کیا تو
ذروں کی آج پر پھر حُوط چہرے
پکھل گئی آواز بن گئے ہیں!!

میں معترف ہوں کہ
تم نے تنگی گلی کے بے خواب پہریداروں کی
آستیں میں چھپی ہوئی زہر سے بھری سازشوں کو
باہر نکال کر

بے خبر ہواؤں کو تازہ خبروں کا نور بخشا۔۔۔!

میں معترف ہوں
تمہاری آنکھوں میں بولتے سچ کا معترف ہوں
میں معترف ہوں
تمہارے پاؤں میں جاگتے آبلوں کی حدّت کا معترف ہوں
مگر مری جاں!

ابھی قلم کو نہ تھکنے دینا
کہ زندگی کے بہت سے زخموں کو
”(حرفِ مرہم“ کی جستجو ہے)

ابھی نہ رُکنا
کہ ہر مسافت تمہارے اپنے ہنر کا زیور ہے
آبرو ہے!

ابھی بگولوں میں گھر کے بے دست و پا نہ ہونا
کہ سچ کے اس بے کنار صحرائیں
تم اکیسے نہیں ہو
میں بھی تمہارے ہمراہ چل رہا ہوں!

(ضیا ساجد کے لیے)



حال مت پوچھ عشق کرے کا!
عمر جینے کی شوق مرنے کا!!

وہ محبت کی احتیاط کے دن!
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے!
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

خودکشی کو بھی رائیگاں نہ سمجھ
کام یہ بھی ہے کر گزرنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل!
ایک لمحے سوال کرنے کا!!

خون رونا بھی اک ہنر ٹھہرا،
بانجھ موسم میں رنگ بھرنے کا

ٹوٹتے دل کو شوق سے محسن
صورتِ برگ گل بکھرنے کا!!



رات بھی ہے سفر بھی جگنو بھی
دو قدم چل پڑے اگر تُو بھی!!

کچھ تو تاریک تھی فراق کی رات
اور کچھ کھل گئے وہ گیسو بھی!

قفل موج رواں مگر نہ کھلا
پیاس بیٹھی رہی لب جو بھی

ایک ہی پل میں مجھ سے پھڑے ہیں
موسم گل بھی تیری خوشبو بھی!!

اُس پہ کیسی غزل کہیں؟ کہ وہ شخص
سنگدل بھی ہے آئینہ رو بھی

اول اول وہ رُوٹھ کر جو ملا
آنکھ میں بولتے تھے آنسو بھی

شب کا دریا نہ طے ہوا محسن
شل ہوئے اپنے دست و بازو بھی



دل نے تنہا جھیلی رات
ہجر کی رات اکیلی رات

دن والے کب بوجھ سکے؟
مشکل شام پہیلی رات

ایک سفر کی تشریحیں!
چاند چکور چنبیلی رات!!

دن اپنے ہر درد کا دوست
اُس کی ایک سہیلی رات

اک سنسان نگر ہر سانس
اک ویران حویلی رات

اُس کا روپ تھا ”باڑ“ کی دھوپ
میری سر دھیلی رات

اُس کی آنکھ سے چھلکی شام
اُس کی زلف سے کھیلی رات

محسن کے انجام کے نام
ہجر کی نئی نویلی رات

عہد نامہ

غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!

زمین کے سینے پہ بے تحاشہ لہو بہے گا
لہو بہے گا۔۔ بصورتِ آب جو بہے گا

لہو جو میزانِ آرزو ہے

لہو جو ہائیل و ابنِ مریم کی آبرو ہے

لہو جو ابنِ علیؑ کے سایہ چشم و آبرو میں سرخرو ہے

مجاورانِ شبِ ہلاکت کی سازشوں کے مقابلے میں

جو روشنی ہے، تپش، تمازت، طلب، نمو ہے

لہو امانت ہے آگہی کی

لہو ضمانت ہے زندگی کی

لہو ہے گا تو مسکراتی ہوئی زمیں پر

نہ پھول مہکیں گے چاہتوں کے

نہ رقصِ خوشبو نہ موسموں کی تمیز کوئی

نہ زندگی کا نشان رہے گا

(فقط اجل کا دھواں رہے گا)

غلط کہا ہے کسی نے تم سے

کہ جنگ ہوگی!

سمندروں سے اُٹھیں گے شعلے
زمین کے سینے پہ موت ناچے گی
کھیت کھلیاں راکھ ہو جائیں گے پھلس کر
فضا میں بارود بھانک لے گا
----- بشر کی سانسیں!
یہ ہنستے بستے گھروں کے آنگن
----- بنیں گے مدفن!!
ہزار ہا بے گناہ ماؤں کی چھاتیوں سے
لپٹ کے سوئے، گلی محلّوں میں کھیلتے
بے نیاز بچّوں کے -----
جن کی آنکھوں میں کوئی سازش نہ جُرم کوئی

تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی تو اس کے شعلے
زمین کی ہریا لیاں --- نکلنے کے بعد میں بھی
----- نہ سرد ہوں گے
تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی
تو آنے والے کئی برس
بانجھ موسموں کی طرح کٹیں گے
تمام آباد شہر --- سُنسان وادیوں کی طرح ٹپیں گے
قضا کے آسیب اپنے جبرّوں میں پیس دیں گے
تمام لاشیں، تمام ڈھانچے، تمام پنجر
نہ فاختائیں رہیں گی باقی
نہ شاہراہوں پہ روشنی کا جلوس ہوگا
لہو کے رشتے، نہ عکس تہذیب آدمیت
نہ ارتباط خلوص ہوگا ---
تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی تو اس کے شعلے
تمام جذبوں کو چاٹ لیں گے
نہ زندگی کا نشان رہے گا
فقط اجل کا دھواں رہے گا

تمہیں خبر ہے تو بے خبر بن کے سوچتے کیا ہو؟
دیکھتے کیا ہو؟

آؤ اپنے لہو سے لکھیں وہ عہد نامہ
جو عزمِ تخریب رکھنے والوں کے عہد ناموں سے معتبر ہو
وہ عہد نامہ کی جس کے لفظوں میں

مسکراتے حسین بچو کی دلکشی ہو
 نحیف ماؤں کی سادگی ہو
 ضعیف محنت کشوں کے ہاتھوں سے
 لہلہاتے جوان کھیتوں کی زندگی ہو
 اُٹھو کہ لکھیں وہ عہد نامہ
 جو امن کی فاختہ کے نغموں سے گونجتا ہو
 لکھو کہ

خوشبوئے امن بارود کی ہلاکت سے معتبر ہے
 لکھو کہ ہنستی ہوئی سحر شب کی تیرگی سے عظیم تر ہے
 لکھو کہ دھرتی اجاڑنے والے مجرموں کا حساب ہوگا
 لکھو کہ بارود کا دُھواں خود بشر پہ اپنا عذاب ہوگا۔۔۔
 ”تم اپنی خواہش کی بھٹیوں میں جلاؤ خود کو
 مگر ہمیں امن کی خنک چھاؤں میں
 دُعاؤں میں سانس لینے دو۔۔ زندگی بھر
 کہ جنگ ہوگی تو دیکھ لینا
 کہ زندگی کی سحر نہ ہوگی
 کسی کو اپنی خبر نہ ہوگی!



نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
 وگرنہ اُس سے محبت بہت پرانی ہے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سُنوں
 کہ تو نے بھی غم دنیا سے ہار مانی ہے

زمیں پہ رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں
 مزاج اہل محبت کا آسمانی ہے.....!!

ہمیں عزیز ہو کیونکر نہ شام غم کہ یہی
 بچھڑنے والے تیری آخری نشانی ہے

اُتر پڑے ہو تو دریا سے پوچھنا کیسا؟
کہ ساحلوں سے اُدھر کتنا تیز پانی ہے

بہت دنوں میں تیری یاد اوڑھ کر اُتری
یہ شام کتنی سنہری ہے کیا سُہانی ہے!

میں کتنی دیر اُسے سوچتا رہوں محسن
کہ جیسے اُس کا بدن بھی کوئی کہانی ہے



کبھی جو چھیڑ گئی یادِ رفتگاں محسن
بکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسن

ہوا نے راکھ اُڑائی تو دل کو یاد آیا
کہ جل بجھیں مرے خوابوں کی بستیاں محسن

کچھ ایسے گھر بھی ملے جن میں گھونگھٹوں کے عوض
ہوئی ہیں دفن دوپٹوں میں لڑکیاں محسن

کھنڈر ہے عہدِ گزشتہ نہ چھو نہ چھیڑ ایسے
کھلیں تو بند نہ ہوں اس کی کھڑکیاں محسن

بُجھا ہے کون ستارہ کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسن

نہیں کہ اُس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے
تمام عُمَر کئی یوں بھی رائیگاں محسن

ملا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
سمیٹنا تھیں جسے میری کرچیاں محسن

کہیں سے اُس نے بھی توڑا ہے خود سے ربطِ وفا
کہیں سے بھول گیا میں بھی داستاںِ محسن



دل تری رہزور میں کھو بیٹھے
اک ستارہ سفر میں کھو بیٹھے
شوق پرواز و پرستوئے سفر
خواہشِ بال و پر میں کھو بیٹھے
حُسنِ حرفِ دعا، فقیرِ ترے
میتِ چارہ گر میں کھو بیٹھے
ہم بھی کیا چاندِ سے حسیں چہرے
گردِ شام و سحر میں کھو بیٹھے
بادِ باں جب ہوا کے ہاتھ لگا
کشتیاں ہم بھنور میں کھو بیٹھے
گھر بنانے کی آرزو ہم لوگ
حسرتِ بام و در میں کھو بیٹھے
بولتے شہرِ مینتے یاروں کے!
دل کے اندھے کھنڈر میں کھو بیٹھے
یادِ اک دل میں گم ہوئی محسن
عکسِ اک چشمِ تر میں کھو بیٹھے

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم
ریزہ ریزہ مری سوچیں وہ غزل جیسی تھی
کیسا موسم تھا وہ سانسوں کی نمو کا موسم
جھیل جیسی مری چاہت وہ کنول جیسی تھی

رات آنکھوں میں اُترتی تھی مگر یوں جیسے
اُس کی آنکھوں میں دکھتا ہوا کاجل پھیلے
صبح خوابوں میں نکھرتی تھی مہک کر جیسے
اُس کے سینے سے پھسلتا ہوا آنچل پھیلے

دل دھڑکتا تھا کہ جیسے کسی پگڈنڈی پر
اُس کی پازیب سے ٹوٹا ہوا گھنگھرو بولے
چونک اُٹھتی تھی سماعت کہ سفر میں جیسے
اُس کے سائے کی زباں میں کوئی جگنو بولے

اُس کی زلفیں مری تسکیں کے بھنور بنتی تھیں
جیسے کھلتے ہوئے ریشم سے ہوا چھو جائے
اُس کی پلکیں مرے اشکوں کے گہر چنتی تھیں
باب تاثیر سے جس طرح دُعا چھو جائے

اُس کی آواز جگاتی تھی مقدر میرا
جیسے معبد میں سویرے کا گجر بجتا ہے
جیسے برسات کی رم جھم سے دھنک ٹوٹتی ہے
یا رحیل سر آغاز سفر بجتا ہے!
اُس کے چہرے کی تمازت سے پکھلتے تھے حروف
جیسے گہسار پہ کرنوں کے قبیلے اُتریں!
جیسے گھل جائے خیالوں میں حنا کا موسم
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نشیلے اُتریں

اُس کے قامت پہ جو سوچا تو سرِ شام وصال
دوش افکار پہ جذبوں کا سفر یاد آیا

وہ کہ مہتاب کی صورت تھی نگاہوں سے بلند
میں سمندر تھا مجھے مدّوجزر یاد آیا

ناز نکلت کی اکائی تھی مگر محفل میں
اپنے ملبوس کے رنگوں میں وہ بٹ جاتی تھی
یوں تو قسمت کا ستارہ تھی مگر آخر شب
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں سمٹ جاتی تھی

اُس سے پچھڑا ہوں تو آنکھوں کا مقدر ٹھہرا
دل کے پاتال میں تیخ بستہ لہو کا عالم
اپنی تنہائی کی پرچھائیں میں لپٹا ہوا جسم
جیسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سبّو کا عالم
اپنے سائے کی رفاقت پہ بھی کانپ اُٹھتا ہوں
شہر کے شہر پہ چھایا ہے وہ ہو کا عالم
کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم؟



درد سے بے نیاز ہونے دے
اے شبِ ہجر کچھ تو سونے دے!

رخصت اے حبسِ شام ضبطِ جُؤں
رونے والوں کو گھل کے رونے دے

آج اک سرخرو سے ملنا ہے!
آج آنکھیں لہو سے دھونے دے

کاش کوئی ہمیں بھی اشک اپنے
سانس کے تار میں پرونے دے

فصلِ تیخ بستگی میں جینا ہے
پانیوں میں شرارِ بونے دے

کچھ تو سوچ اپنے حال پر محسن
خود کو یوں رائیگاں نہ ہونے دے

www.HallaGulla.com



وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہیلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی

سورج اُس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں دھل کر نکلی تھی

اُس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سوچ کے صحرا میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اُس کو ڈستے تھے
ہنستے ہنستے پلکوں سے رو پڑتی تھی

آدھی رات گنوا دیتی تھی چُپ رہ کر
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی

دُور سے اُجڑے مندر جیسا گھر اُس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی!

موم سے نازک جسم سحر کو دُکھتا تھا
دیئے جلا کر شب بھر آپ پگھلتی تھی!

تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اکٹھے کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھید اپنا
سب سے اک تصویر چھپائے رکھتی تھی

کل شب چکنا چور تھا دل اُس کا
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی

محسن کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی؟



اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں
مل کے بیٹھے بانٹ لیں تنہائیاں

حاصل خوشبو خزاں کی بانجھ رُت
شہرتوں کی انتہا --- رُسوائیاں

قُرب کا موسم بھی کیا موسم تھا جب
ناپتے تھے روح کی گہرائیاں!

ہجر کے لمحے بھی کیا لمحے ہیں اب
بجھتی جاتی ہیں تیری پرچھائیاں!

کون سی دلہن کا اجڑا ہے سہاگ؟
رو پڑی ہیں بے سبب شہنائیاں

یاد آئیں بچپنے کی سب ضدیں
جس طرح روٹھی ہوئی ہمسائیاں

اُس کی میری خواہشوں کا اتفاق
جیسے آپس میں ملیں ماں جائیاں

اُس کے خال و خد کی تشبیہیں نہ پوچھ
رنگِ رمِ جہمِ روشنیِ رعنائیاں

پوچھ مت محسن اندھیرے ہجر کے
چاند سی کیا صورتیں گہنایاں!!

کون یاد آتا ہے؟

جب تری کلائی میں
چوڑیاں کھلتی ہیں
جب شریر پلکوں کی
پائلیں چھلتی ہیں

جب فضا کا سناٹا
خود سے گنگنا تا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب تری نگاہوں میں
دونوں وقت ملتے ہیں
جب طلب کی راہوں میں
کھل کے پھول کھلتے ہیں

جب خیال کا پیچھی
خوف سرسرا تا ہے
کون یاد آتا ہے؟

اجنبی سی آہٹ پر
جب بھی دل دھڑک جائے
جب بھی گفتگو خود سے
حلق میں اٹک جائے

دل میں چور سا کوئی
جب بھی مسکراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب بھی گھپ اندھیرے میں

بجلیاں چمکتی ہیں
جب بچے کواڑوں پر
آندھیاں لپکتی ہیں

جب رگوں میں انجانا
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

خواہشوں کی بستی میں
واہموں کے میلے ہیں
بے کراں اُداسی میں
ہم سبھی اکیلے ہیں

خود سے دل دھڑکتا ہے
خود سے ڈوب جاتا ہے
کون یاد آتا ہے؟
کون یاد آتا ہے؟



ترکِ محبت کر بیٹھے ہم، ضبطِ محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے، ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اُسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اک صورت اور بھی ہے

ڈوبتا سُرُج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا
دن کا دکھ سہم جانے والی رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں
اُس میں بچوں جیسی ضد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اُسے پھر دیکھا، دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے، درد میں شدّت اور بھی ہے

میری بھیکتی پلکوں پر جب اُس نے دونوں ہاتھ رکھے
پھر یہ بھید کھلا ان اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے

اُس کو گنا کر محسن اُس کے درد کا قرض چکانا ہے
ایک اذیت ماند پڑی ہے ایک اذیت اور بھی ہے!



اب کے سفر میں تشنہ لہی نے کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا؟
صحراؤں کی پیاس بجھاتے دریاؤں کو پیاسا دیکھا

شاید وہ بھی سرد رُتوں کے چاند سی قسمت لایا ہوگا
شہر کی بھڑ میں اکثر جس کو ہم نے تنہا تنہا دیکھا

چارہ گروں کی قید سے چھوٹے تعبیریں سب راکھ ہوئی ہیں
اب کے دل میں درد وہ اُترا اب کے خواب ہی ایسا دیکھا

رات بہت بھٹکے ہم لے کر آنکھوں کے خالی مشینز
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا پہرا دیکھا

درد کا تاجر بانٹ رہا تھا گلیوں میں مجروح تبسم
دل کی چوٹ کوئی کیا جانے زخم تو آنکھ میں گہرا دیکھا

جس کے لیے بدنام ہوئے ہم آپ تو اُس سے مل کر آئے
آپ نے اُس کو کیسا پایا۔۔۔ آپ نے اُس کو کیسا دیکھا؟

کیسا شخص تھا زرد رُتوں کی بھیڑ میں جب بھی سامنے آیا
اُس کو دھوپ سا کھلتا پایا اُس کو پھول سی کھلتا دیکھا

ابر کی چادر تان کے جھیل میں ساتوں رنگ رچانے اُترا
موجہ آب کی تہہ میں جانے چاند نے کس کا چہرہ دیکھا

تیرے بعد ہمارے حال کی ہر رُت آپ گواہی دے گی
ہر موسم نے اپنی آنکھ میں ایک ہی درد کا سایا دیکھا

محسن بند کواڑ کے پیچھے ڈھونڈ رہی ہے سہمی شمعیں
جیسے عُمر کے بعد ہوا نے میرے گھر کا رستہ دیکھا

www.HallaGulla.com



آنکھ بے منظر، طلب بے آرزو ایسی نہ تھی
تجھ سے پہلے فصلِ خواہش بے نمو ایسی نہ تھی

جس بھی آتا تھا، مڑ جھاتی تھیں کلیاں بھی مگر
شہر کی آب و ہوا بے رنگ و بو ایسی نہ تھی

اب تو ہر رستے سے پوچھوں تیری آہٹ کا سراغ
شوق تھا ملنے کا لیکن جستجو ایسی نہ تھی

یا میں تیرے خال و خد میں اس قدر کھویا نہ تھا
یا تری تصویر پہلے ہو بہو ایسی نہ تھی

اب کے در آئی قفس میں فصلِ گل ورنہ کبھی
خستگی دامن کی محتاجِ رفو ایسی نہ تھی

گلابِ یاقوت میں رقصِ شرر کیا دیکھتے؟
اُس کے لب، جیسے وہ لب تھے گفتگو ایسی نہ تھی!

اب کے محسن کیا کہیں کیا ہو مالِ سیرِ گلی؟
خواہشِ آوارگی دل میں ”کھو“ ایسی نہ تھی

تو کیا ہوگا۔۔۔۔؟

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ تم مجھ سے پھڑ جاؤ گی

جیسے رنگ سے خوشبو

بدن سے ڈور سانسوں کی!

گرفتِ شام سے۔۔۔ ناراض سورج کی کرن

اک دم پھڑ جائے!

کہ جیسے رات کے پچھلے پہر

خوابیدہ گلیوں

نیم خوابیدہ گھروں میں زلزلہ آئے

تو اک بستی اُجڑ جائے!

کہ جیسے دھوپ کے صحرا میں

تشنہ لب، بھٹکتے بھولتے بے گھر پرندوں

سخت جاں پیڑوں، بگولوں کے بھنور میں

اپنی چھاؤں بانٹنا بادل۔۔۔ پُڑ جائے!

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ۔۔۔ میں تم سے جد اہو کر

کہیں تقسیم ہو جاؤں گا

لمحوں میں بکھر جاؤں گا

تنہائی کے اندھے غار کی تہہ میں اُتر جاؤں گا

تم سے روٹھ کر۔۔۔ خود سے خفا ہو کر۔۔۔!!

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا۔۔۔

نہ کوئی زلزلہ آئے گا

کوئی آنکھ نم ہوگی نہ سناٹا

بچھے گا شہر کی گلیوں میں

زلفیں کھول کر روئے گی تنہائی

نہ شہر دل فگا راں میں

کوئی محشر بپا ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟

تمہارے ساتھ

اپنے رنگ ہوں گے!

روشنی ہوگی۔۔۔!!

ستارے بانٹتے خوابوں کا

اپنا سلسلہ ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟

مگر سوچو کسی تنہا سفر میں

جب مری آواز کے بے ربط رشتوں سے

تمہارا سامنا ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا؟



دل کہاں، کربِ دل آزاری کہاں؟
زلزلوں کی زد میں ہے کچا مکاں!

لمحہ بھر کے ہجر نے پھیلا دیا۔۔۔!
اک زمانہ تیرے میرے درمیاں

ناچتی ہے دُھوپ سی آنکھوں میں، جب
بارشوں میں بھیکتی ہیں لڑکیاں!

کل اُسے دیکھا نئے ملبوس ہیں۔۔۔!
جیسے رنگوں کے بھنور میں کہکشاں

بادباں جب سے ہوا کی زد میں ہیں
ساحلوں سے خوف کھائیں کشتیاں

جنگلوں کے پیڑ ہیں سہمے ہوئے
جگنوؤں کو دھونڈنی ہیں بجلیاں

نیند کیا ٹوٹی کہ دل مُرجھا گیا!
اُڑ گئیں خوابوں کی ساری تتلیاں

سوچنا محسن سفر کے شور میں
گھر کا سنّا تھا کتنا مہرباں!

www.HallaGulla.com



خواب آنکھوں میں چھو کر دیکھوں
کاش میں بھی کبھی سو کر دیکھوں

شاید ابھرے تری تصویر کہیں!
میں تری یاد میں رو کر دیکھوں

اسی خواہش میں مٹا جاتا ہوں
تیرے پاؤں تری ٹھوکر دیکھوں

اشک ہیں وہم کی شبنم کہ لہو؟
اپنی پلکیں تو بھگو کر دیکھوں

کیسا لگتا ہے بچھڑ کر ملنا --؟
میں اچانک تجھے کھو کر دیکھوں؟

اب کہاں اپنے گریباں کی بہار؟
تار میں زخم پرو کر دیکھوں

میرے ہونے سے نہ ہونا بہتر
تو جو چاہے ترا ہو کر دیکھوں؟

روح کی گرد سے پہلے محسن!
داغ دامن کو تو دھو کر دیکھوں

میں تیرے شہر سے گذرا تو۔۔۔۔۔!

میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا!
 ہر ایک موڑ پہ ناکام حسرتوں کا ہجوم
 ہر ایک راہ میں مقروض خواہشوں کی قطار
 ہر اک قدم پہ شکستہ ندامتوں کے مزار
 ہر ایک آنکھ میں مرگ تعلقات کا سوگ
 ہر اک روش پہ رواں جستجئے رزق میں لوگ
 تمام لوگ وہی لوگ تھے کہ جن سے کبھی
 نظر پڑا کے گزرتا تھا میں ہوا کی طرح
 تمام سائے مری آنکھ میں بکھرتے رہے
 کسی قریب کی بستی کے آشنا کی طرح
 میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا
 کہ جیسے شہر وہی ہے وہی نہیں ہے مگر
 کوئی گلی، کوئی منظر، کسی روش کا مزاج
 جبین خاک میں پیوست ہیں فراق کے داغ
 فضائے زرد کے سائے میں احتیاط کے ساتھ
 اُجاڑ بام پہ جلتا ہوا۔۔۔ اُداس چراغ
 ہوا سے پوچھ رہا تھا۔۔۔ اک اجنبی کی طرح
 مرے سفر کا سبب، تیرے ہمسفر کا سُراغ!

ہر اک سوال مجھے کتنا بے سبب سا لگا
 میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا



بکھرتا جسم مری جاں کتاب کیا ہوگا؟
 تمہارے نام سے اب انتساب کیا ہوگا؟

تم اپنی نیند بھرے شہر میں تلاش کرو!
جو آنکھ راکھ ہوئی اُس میں خواب کیا ہوگا؟

وہ میری تہمتیں اپنے بدن پہ کیوں اوڑھے
مرے گناہ کا اُس کو ثواب کیا ہوگا؟

ہوا میں اُس کی مسافتِ زمیں پہ میرا سفر
وہ شہسوار مرا ہمرکاب کیا ہوگا؟

اُسے گنوا کے میں اب کس کے خدوخال پڑھوں
اب اُس سے بڑھ کے مرا انتخاب کیا ہوگا؟

ملے گا ڈوبنے والوں کو اجڑ جو بھی ملے!
سمندروں کا مگر احتساب کیا ہوگا؟

ہمارے بعد ہمیں یاد کیوں کرے گا کوئی؟
ہوا کا نقش سرِ سطحِ آب کیا ہوگا؟

بکھرتے ٹوٹتے محسن کو اور کیا کہنا
خراب اور وہ خانہ خراب کیا ہوگا؟

Virtual Home
for Real People
☆

ختم ہوئے پیغام سلام
اُس کے ہجر کے نام سلام!

لمحہ بے انجام --- دُعا!
دِیدہ بے آرام --- سلام

ماند پڑا ہر یاد کا چاند
اے گردِ ایام --- سلام

تیری مرضی دیکھ نہ دیکھ
رہگیروں کا کام سلام

کہنا غزلوں کو مکتوب
لکھنا اُس کے نام -- سلام

جاگ مری صبح اعزاز
کرنے آئی شام سلام

لُٹتے شہر عذاب بخیر!
بجھتے کوچہ و بام سلام!!

خواہش تسکین، عمر دراز
حسرت درد انجام سلام

محسن اُس کے طور اخیر
ناز انداز خرام سلام

ابھی کیا کہیں ---؟

ابھی کیا کہیں -- ابھی کیا سنیں؟
کہ سرِ فصیل سکوتِ جاں
کفِ روز و شب پہ شرر نما
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا؟

کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا!

سرِ شہر عہدِ وصالِ دل
وہ جو نکلتوں کا ہجوم تھا

اُسے دستِ موجِ فراق نے
تہہ خاک کب سے ملا دیا؟

کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا!

ابھی کیا کہیں -- ابھی کیا سنیں؟
یونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب -- کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا؟
کسے کس نے کیسے گنوا دیا؟

کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا!



چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
تمھاری آنکھ کا احوال خواب پوچھتے ہیں

کہاں کہاں ہوئے روشن ہمارے بعد چراغ؟
ستارے دیدہ تر سے حساب پوچھتے ہیں

وہ تشنہ لب بھی عجب ہیں جو موجِ صحرا سے
سُراغِ حبس، مزاجِ سراب پوچھتے ہیں

کہاں بسی ہیں وہ یادیں اُجاڑنا ہے جنھیں؟
دلوں کی بانجھ زمیں سے عذاب پوچھتے ہیں

برس پڑیں تری آنکھیں تو پھر یہ بھید کھلا
سوال خود سے بھی اپنا جواب پوچھتے ہیں

ہوا کی ہمسفری سے اب اور کیا حاصل؟
بس اپنے شہر کو خانہ خراب پوچھتے ہیں

جو بے نیاز ہیں خود اپنے حُسن سے محسن
کہاں وہ مجھ سے مرا انتخاب پوچھتے ہیں؟



کہہ گئی چشم تر کی حیرانی
مجھ سے نفرت نہ کر کہ ٹھہری ہے
وسعت عقل پر نہ حیراں ہو!
ہنستی کبستی خدائی کے خالق!
چاندنی کے اُجاڑ صحرا میں
موجزن دل میں ہے خیال ترا
زندگی ہے فرات کا پانی
تیرا ملبوس۔ میری عریانی
دامن عقل میں سے نادانی
دیکھ اُجڑے گھروں کی ویرانی!
رقص کرتی ہے رات کی رانی
جیسے دریا کہ تہہ میں طغیانی
بادشاہت سے قیمتی تحسن
بارگاہِ علی کی درباری!



روشنی جب مرے مکان میں ہو!
کیوں اندھیرا کسی کے دھیان میں ہو؟
اُس کی رفتار کا مزاج نہ پوچھ
جیسے تازہ غزل اُڑان میں ہو!
حبس میں کشتیاں لرزتی ہیں!
کوئی سازش نہ بادبان میں ہو؟
موت کی آہٹوں سے کون ڈرے
زندگی جب تری امان میں ہو!
کیوں نہ پہنے سپہ لباس زمیں
چاند جب دُفن آسمان میں ہو
یوں تری یادِ دل میں ہے جیسے
تیر ٹوٹی ہوئی کمان میں ہو!

تم تم یقین ہو مگر نہ گمان کیلئے محسن؟
 ہو! میں

سُنا ہے زمیں پر.....!

سُنا ہے
 زمیں پر وہی لوگ ملتے ہیں۔۔۔ جن کو
 کبھی آسمانوں کے اُس پار
 رُوحوں کے میلے میں
 اک دوسرے کی محبت ملی ہو۔۔۔!
 مگر تم۔۔۔

کہ میرے لیے نفرتوں کے اندھیرے میں
 ہنستی ہوئی روشنی ہو
 لہو میں رچی!
 رگوں میں بسی ہو!!
 ہمیشہ سُکوتِ شبِ غم میں آوازِ جاں بن کے
 چاروں طرف گونجتی ہو!
 اگر آسمانوں کے اُس پار
 رُوحوں کے میلے میں بھی مل چکی ہو!
 تو پھر اس زمیں پر
 مری چاہتوں کے کھلے موسموں سے گریزاں
 مری دھوپ چھاؤں سے
 کیوں اجنبی ہو؟

کتابوں میں لکھی ہوئی۔۔۔
 اور کانوں سنی۔۔۔
 ساری باتیں غلط ہیں۔۔۔؟
 کہ تم ”دوسری“ ہو۔۔۔؟؟



سُورج کا خوفِ دل سے بھلا دینا چاہیے
اب اپنا سر سناں پہ سجا دینا چاہیے

یارو اسی کے دم سے ہیں مقتل کی رونقیں
قاتل کو زندگی کی دُعا دینا چاہیے

صحرا سجا رہا ہے بگولوں کا اک جلوس
سائے کو راستے میں بچھا دینا چاہیے

شبِ خوں نہ مار دے کہیں لشکرِ ہواؤں کا
شاخوں سے پنچھیوں کو اڑا دینا چاہیے

یہ کیا کہ دوسروں کو سنائیں حدیثِ غم
اک روز خود کو ہنس کے رُلا دینا چاہیے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر
اب وقت ہے کہ گھر کو جلا دینا چاہیے

محسنِ طلوعِ اشکِ دلیلِ سحر بھی ہے
شبِ کٹ گئی چراغِ بجھا دینا چاہیے

سفرِ جاری رکھو اپنا
(خالد شریف کے لیے ایک ادھوری نظم)

یہ شیشے کے غلافوں میں دھڑکتی سوچتی آنکھیں
نجانے کتنے پُر اسرار دریاؤں کی گہرائی میں

بکھرے موتیوں کی آب سے غم ہیں
پہاڑوں سے اُترتی گہر میں لپٹا ہوا
یہ سانا لا چہرہ!
نجانے کتنی گجلائی ہوئی صبحوں کے سینے میں
مچلتی خواہشوں کا آئینہ بن کر
دھمکتا ہے!
یہ چہرہ، گرب کے موسم کی بجھتی دوپہر میں بھی
چمکتا ہے!!

یہ لب یہ تشنگی کی موج میں بھیگے ہوئے
”مرجاں“

شُعاعِ حرفِ جن سے پھوٹی ہے سُرخرو ہو کر!
یہ لب جب شعلہ آواز کی حدت میں تپ کر مُسکراتے ہیں
تو نادیدہ سراپوں کی جنیں پر
بے طلب کتنے ستارے جھلملاتے ہیں
یہ لب جب مُسکراتے ہیں
تو پل بھر کو سکوتِ گنبدِ احساس
خود سے گونج اُٹھتا ہے!!

یہ پیکر!
یہ حوادث کے مقابل بھی کشیدہ قامت و خوش پیرہن، پیکر
کہ جیسے بارشوں کے رنگ برساتی ہوئی رُت میں
خرامِ ابر پر قوسِ قزح نے
اپنی انگڑائی چھڑک دی ہو!

کوئی آواز!
جب تنہا مسافت میں مرے ہمراہ چلتی ہے
کوئی پرچھائیں
جب میری بجھی آنکھوں میں چھتے اشک چلتی ہے
تو لمحہ بھر کو رُک کر سوچتا ہوں میں
کہ اس تنہا مسافت میں
کسی صحرا میں سائے بانٹتے اشجار کی خوشبو ہے
یا تم ہو۔۔۔؟

یہ تم ہو یا تمنا کے سفر میں
حوصلوں کا استعارہ ہے؟
یہ تم ہو یا طلب کی رگہذریں
گم ستارہ ہے؟

ہوا تم سے اُجھتی ہے
 کہ تم اپنی ہتھیلی پر مشقت کا ”دیا“ بجھنے نہیں دیتے!
 حریفانِ قلم۔۔۔ نالاں
 کہ تم اُن کی کسی سازش پہ کیوں برہم نہیں ہوتے؟
 ادب کے تاجرانِ حرص پیشہ سر بہ زانو ہیں
 کہ تم اہل ہنر کے ریزہ ریزہ خواب
 اپنی جاگتی پلکوں سے چُن کر
 سانس کے ریشم میں
 کیوں اتنی مشقت سے پروتے ہو
 مگر جاناں تمہیں کیا؟
 تم سفر جاری رکھو اپنا
 سفر میں سنگباری سے لہو ہونا
 جگر کے زخم سے رستے لہو سے آبلے دھونا۔۔۔
 ازل سے ہم غریبانِ سفر کی اراکِ روایت ہے!
 تمہیں کیا تم سفر جاری رکھو اپنا۔۔۔!
 تمہاری آبلہ پائی کا عنوان ”نارسائی“ ہے
 تمہیں آتا ہے
 دشمن کے لیے وقفِ دُعا رہنا
 اندھیروں سے اُلجھنا۔ سنگباری کی رُتوں میں ”بے قبا“ رہنا
 تمہیں آتا ہے۔۔۔ یوں بھی زخم کھا کر مُسکرا دینا
 تمہیں آتا ہے
 گردِ روز و شب سے ”ماورا“ رہنا

Virtual Home
for Real People